آل انڈیا سُنی تبلیغی جماعت کا ترجمان

بظل عاطفت سرکار مفتیٔ اعظم ہند۔ بریلی شریف

# ماہنامہ پاسبان الہ آباد

ایڈیٹر۔ مشتاق احمد نظامی


**بیادگار** سلطان الہند عطار رسول، خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

**زیر سرپرستی** سلطان المناظرین حضرت مفتیٔ اعظم کانپور مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت

**بظل حمایت** حاجی بڈن صاحب رضوی سنڈ گوڑ۔ حاجی محمد سعید رضوی باسنی حاجی رحمت اللہ صاحب بمبئی۔ حاجی چودھری محمد علی مکرانہ حاجی خلیل احمد صاحب تسر۔ حاجی واجد حسین رضوی جھریا


جلد ۲۴ | شمارہ ۲ | ماہ فروری سنہ ۱۹۷۹




اس دائرے کا سرخ نشان اس کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔

نیجر


قیمت سالانہ ۱۶ روپے

فی پرچہ ۱-۵۰

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:

مینجر دفتر پاسبان، الہ آباد ۳

انوار احمد نظامی پروپرائٹر اینڈ پرنٹر پبلشر نے تاج آفسیٹ پریس بخشی بازار سے چھپا کر دفتر پاسبان الہ آباد سے شائع کیا۔

کامل سہسرامی

# تجدید واحیاء دین کا نعرہ بے اثر کیوں ہے؟

تجدید واحیاء دین کے نعروں کی گونج حکومت الٰہیہ کی پکار کی بازگشت لیٹریچر کی فراوانی ذوق مطالعہ کی بیداری کی تحریک نظم
وضبط کی پابندی اجتماعات کا التزام ذہن وفکر کی خصوصی نشو ونما پر توجہات، یہاں سے وہاں تک باہمی ربط وتسلسل تحریک سے محبت
اور اس کے باہر عصبیت کا مزاج اور اس کے علاوہ بہت سارے لوازمات کی موجودگی کے باوجود اگر کوئی صالح انقلاب اور لائق ذکر
تغیر نظر نہ آئے تو اسے بدترین ناکامی نہ کہا جائے گا تو اور کیا نام دیا جائے گا؟

نعروں کے ہنگاموں اور دعووں کے اژدہام میں سر کی آنکھوں سے دیکھی جانے والی ناکامی اور مایوس کن نتائج خود اس بات
کا ٹھوس اور محکم ثبوت ہیں۔ کہ دعوت وتذکیر کا اصل مقصد وہ نہیں جو لیٹریچر کی معرفت پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ نعروں اور دعووں
کے پس پردہ جو اصل بنیادی مقصد ہے۔ وہ سیاسی برتری فکری حکمرانی اور شخصی اقتدار اور حکومت کا حصول ہے۔ نعرے اور
دعوے تو اس تک پہنچنے کا سیاسی زینہ ہیں۔ تجدید واحیاء دین کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے سے تو یہ حقیقت پوری طرح واشگاف
ہو جاتی ہے، کہ حکومت الٰہیہ کا نعرہ دراصل شخصی اور انفرادی حکومت کا پر فریب طریقہ کار ہے۔

ضلالت وگمراہی کی تیرگی جب کبھی پھیلی اسلام کے داعیوں اور دین کے مبلغوں نے اپنی انتھک مسلسل جد وجہد اور تبلیغ سے
گمراہی کو ختم فرمایا۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ تک کی ہزار
سالہ تاریخ شاہد ہے کہ حالات کے بے اندازہ بگاڑ ماحول کی بے انتہا خرابی کے باوجود ان بزرگوں کی جد وجہد اس طرح بار آور
اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ کہ اس پورے ہزار سالہ دور میں زندگی کے ہر شعبہ پر اسلامی اقتدار اور اسلامی چھاپ آج بھی نمایاں
طور پر نظر آتی ہے۔

مجددین کرام کی اس مقدس جماعت کو قدم قدم پر مصائب وآلام تکلیف واذیت امتحان وآزمائش کی منزلوں سے گزرنا پڑا
لیکن الحمد للہ ایثار وقربانی سے معمور تبلیغ رائیگاں نہ گئی۔ بلکہ ان بزرگوں کے تجدیدی کارناموں نے الحاد وبیدینی اور لامذہبیت کے تناور
درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ضلالت وگمراہی شہنشاہیت اور فرماں روائی کا لباس پہن کر آئی تھی۔ جب کہ تجدید دین کی دعوت غربت
افلاس اور بے سروسامانیوں کے ساتھ ہی آئی۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو تو اپنے ہی خاندان اور قرابتداروں کے مقابلہ میں صف آرا ہونا پڑا تھا۔ حکومت و اقتدار کے باوجود تنہا ایک آدمی کا شاہی خاندان کے جملہ افراد کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ حضرت امام اعظم کو دین کی اسی خدمت کی پاداش میں جیل جانا پڑا۔ زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ احمد ابن حنبل کو کوڑوں کا استقبال کر کے جان جاں آفریں کے سپرد کرنی پڑی، خود عہد ماضی قریب میں، حضرت مجدد الف ثانی کو بے انتہا حوصلہ شکن حالات اور صبر آزما منزلوں سے گذرنا پڑا۔ لیکن اس میں سے کسی ایک کی بھی قربانی رائیگاں نہ گئی۔ اور اپنے اپنے وقت میں ان میں سے ہر ایک کی سعی و جد و جہد کا بہترین و خوش گوار نتیجہ برآمد ہوا۔ الحاد و بیدینی کی وہ فضا، ختم ہو گئی۔ جو ان بزرگوں کے عہد میں پیدا ہوئی تھی اور آج اسلام کے ایوان میں دین کے جو نقش و نگار نظر آ رہے ہیں۔ یا عقیدۂ ایمان میں جو دین داری کی کرن نظر آ رہی ہے۔ وہ بلا شبہ انھیں نفوس قدسیہ کی پیہم و مسلسل قربانی ان کی تحریک، اور ان کی دعوت کا نتیجہ ہے

ایک طرف تاریخ کا تسلسل شہادت دے رہا ہے کہ تجدید دین کا کام کرنے والوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ دوسری طرف زمانہ حال اپنے گرد و پیش کی گواہی پیش کر رہا ہے۔ کہ آج اس میدان میں کام کرنے والوں اور تجدید احیاء دین کے علمبرداروں کی تحریک سو فیصدی ناکام بلکہ انتہائی مایوس کن ہے

حالات کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ عہد حاضر میں تجدید احیاء دین کی جد و جہد کچھ کم نہیں۔ ہند و پاکستان کے ہر شہر ہر قصبہ میں ایسی تحریک کے داعی اور مبلغ موجود ہ پورے نظم و ضبط کے ساتھ دعوتِ تبلیغ کا سلسلہ جاری، ہفتہ کے اجتماعات ماہانہ اجتماعات مقامی اور ضلعی اجتماعات، صوبائی اور ملکی اجتماعات، کی ریل پیل ہے۔ اخبارات و رسائل کے ذریعے دعوت رسانی کی مہم، پھر عصری تعلیم اور مغربی علوم والوں کا جماعت کا اثر قبول کر لینا، یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی دعوت اور اس کے طریقہ کار کے بعد تو زندگی میں، حالات میں، ذہن و فکر میں، عمل میں، یہاں تک کہ زندگی کے ہر گوشے میں ایک نمایاں انقلاب نظر آنا چاہیئے۔ لیکن افسوس کہ پوری جماعت اپنی تمام تر جد و جہد کے بعد بھی بد ترین ناکامیوں سے ہم کنار ہے۔ نہ تو اسلام کی مغلوبیت ختم ہو رہی ہے نہ زندگیوں میں اللہ کی حاکمیت کا عملی اعتراف و اقرار نظر آ رہا ہے۔

جو لوگ اس دعوت سے متاثر اور صالحین کی جماعت میں داخل و شامل ہیں۔ خود ان کی زندگی کی صبح و شام میں نہ تو کوئی تبدیلی نظر آتی ہے۔ نہ اللہ کی حاکمیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اسلام زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی نظر آتا ہے۔

تحریک سے مطمئن بھی ہیں۔ اور سودی کاروبار کے ہمنوا بھی جماعت کے غم گسار بھی ہیں اور بلیک مارکیٹ بھی۔ دعوت کے دلدادہ بھی ہیں، اور رشوت ستانی بھی۔ جماعت صالحین میں شمولیت کا اعتراف بھی، اور گھر کے ماحول پر عریاں فیشن کا تسلط بھی، افراد کی کثرت بھی، اور اسلام کی مغلوبیت بھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے بعد جب حرم میں داخل ہوئے تو قریش کے لوگ لپٹ گئے۔ آپ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ جو تمھارے جی میں آئے کر و میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ اگر ہم تین سو آدمی ہوں جائیں تو پھر یا تو اس سر زمین کو تمھارے لئے چھوڑ دیں گے۔ یا تم ہمارے لئے اسے چھوڑ دو گے، پھر اپنے عہد خلافت میں حضرت عمر ابن العاص کو ایک مکتوب میں یوں تحریر فرمایا۔ تم کو جاننا چاہیئے۔ کہ تمھارے ساتھ بارہ ہزار آدمی ہیں۔ اور بارہ ہزار کبھی قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھاتے۔

فاروق اعظم کے دونوں ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ تین سو آدمیوں کی جماعت بھی انقلاب کے لئے کافی اور بارہ ہزار کی تعداد غالب ہونے کی ضمانت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ تجدید کے داعیوں احیائے دین کے دعویداروں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہیں۔ لیکن اس کثرت تعداد کے باوجود یہ جماعت تاریخ کے دامن پر ناکامی کے داغ لگانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی۔

پھر اسے جانے دیجئے۔ کہ اسلام کے ان جاں نثاروں کے لئے ہندوستان میں پھلنے پھولنے کے کیسے مواقع ہیں۔ یہ دیکھئے کہ پڑوسی ملک پاکستان میں تجدید و احیاء دین کے کام کے لئے زمین کس قدر ہموار حالات کس درجہ ساز گار اور ماحول کتنا موافق تھا جو ملک مسلسل تیس برسوں سے مطلب پرست حکمرانوں خود غرض، لیڈروں فوجی حکمرانوں اور ڈکٹیٹروں کے استحصال کا شکار تھا وہاں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ معمولی جدوجہد کے بعد تجدید کی تحریک مکمل طور پر کامیاب ہو جائے۔ اور مسلمان خود بخود تحریک کے موید۔ بلکہ اس کے جاں نثار بن جائیں لیکن ـــ

مریض عشق پر رحمت خدا کی    مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج پاکستان جس کشمکش جس ہیجان جس بے چینی جس عظیم مصیبت سے دوچار ہے اس کی نظیر تو اس کی پوری زندگی میں کہیں دور دور تک نہیں ملتی۔ اور یہ ساری مصیبت اس مقدس تحریک کی دین ہے۔ جو احیاء دین کے نام پر چلائی گئی تھی۔ فوجی حکمرانوں کی آمریت جبر و استبداد کا نظام سب کے سب اسی کے داعی کے اشارۂ چشم و ابرو کا رہین منت ہے۔ آج دنیا کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ جنرل ضیاء الحق کا تمام تر اقدام نت نئے مظالم کی ایجاد آمرانہ استبداد کا نفاذ کی نوک پر حکومت کا مزاج دعوت کے قائد کے ذہن و فکر کا مرہون کرم ہے

فاطمہ جناح کی حمایت سے لے کر الکشنی سیاست کی ساجھے داری تک مارشل لا سے لے کر ضیاء الحق کی آمریت تک جو کچھ ہے وہ ایک ہی داستان کی مربوط و مسلسل کڑی ہے۔ سیدنا عمر ابن عبدالعزیز سے لے کر مجدد الف ثانی تک تجدید احیاء دین کی تحریک چلانے والے ایک ایک مجدد دین کی زندگی کے الگ الگ گوشے کو دیکھ لیجئے کہ ان بزرگوں نے دین کی تجدید کے نام پر اقتدار کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ گندی سیاست میں ملوث نہیں ہوئے تھے۔ دعوت و تحریک کے پھیلانے میں خون خرابہ نہیں کرایا تھا۔ عوام کو خوف و ہراس میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ ملک کی معیشت کو تباہی کے دہانے تک نہیں پہنچایا تھا۔ عوام کو موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ یہ دین کی تجدید یا ملت کا احیاء نہیں، بلکہ دینی سیاست یا سیاسی دین و اگر اسی کا نام تجدید دین ہے۔ تو اس تجدید کو ہزاروں سلام ـــ

## ماہنامہ المیزان بمبئی

حضرت مولانا سید ابو المحامد جیلانی کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے پابندئ وقت کے ساتھ گوناگوں مضامین کا حسین گلدستہ بن کر شائع ہوتا ہے شیخ الاسلام مولانا سید محمد مدنی میاں کی سرپرستی کا اسے شرف حاصل ہے۔

دارالعلوم صمدیہ درگاہ روڈ بھیونڈی ضلع تھانہ

## بھیونڈی میں ماہنامہ پاسبان ملنے کا پتہ

جناب انور علی صاحب انصاری بی۔ اے سکریٹری سنی تبلیغی جماعت۔ یہ ہماری جماعت کے سرگرم کارکن ہیں۔ اور ان کے قوت بازو جناب حافظ محمد ادریس صاحب و ماسٹر خلیل احمد صاحب ہیں۔ لہذا شائقین حسب ذیل پتے سے اپنے محبوب رسالہ ماہنامہ پاسبان کو حاصل کریں۔ پتہ جناب انور علی صاحب انصاری بی۔ اے سکریٹری سنی تبلیغی جماعت محلہ شمع نگر (سوما نگر) بھیونڈی۔

# "کریں اہلِ ایماں مدینے کی باتیں"

جناب نصر قریشی

وہ شہرِ محبت، دیارِ صداقت جہاں پر درخشاں ہے مہرِ نبوت
ہیں آرام فرما جہاں شاہِ جنت لٹاتی ہے سجدے جبینِ عقیدت
کریں کیوں نہ ہم اس مدینے کی باتیں
یہی تو ہیں دراصل جینے کی باتیں

زمانے کا دارالاماں جس کو کہیے زمیں پر بھی اِک آسماں جس کو کہیے
حقیقت میں جنت نشاں جس کو کہیے غموں کی دوا، انسِ جاں جس کو کہیے
بسا کر دلوں میں قرینے کی باتیں
کریں اہلِ ایماں مدینے کی باتیں

زمانے کو دیتا ہے درسِ محبت خلوصِ وفا کے تقدس کی دولت
مروت کا مرکز دیارِ اخوت مدینہ ہے سب کیلئے کنجِ راحت
ہیں عرشِ الٰہی کے زینے کی باتیں
مدینے کی باتیں، مدینے کی باتیں

یہ دنیا ہے اب تو درندوں کی بستی جدھر دیکھئے آگ سی ہے برستی
یہاں جرم ہے آج مذہب پرستی نگاہِ مروت کو ہر شئے ترستی
نہ مرنے کی باتیں، نہ جینے کی باتیں
سکوں بخش ہیں بس مدینے کی باتیں

یہ نفرت کے بادل، غموں کی گھٹائیں یہ بغض و عداوت کی جلتی فضائیں
دلوں میں کدورت کی بھڑکی چتائیں نفس میں سلگتی ہیں اپنی صدائیں
کہاں دامنِ چاک سینے کی باتیں
کریں اہلِ ایماں مدینے کی باتیں

خوشا! وہ نظر چومے جو پاقرینہ وہ روضہ، وہ جالی، وہ شہرِ مدینہ
خوشا! جس نے دیکھا ہے جنت کا زینہ خوشا! جس میں مہکا نبی کا پسینہ
وہ کرتا ہے دراصل جینے کی باتیں
جو کرتا ہے ہر پل مدینے کی باتیں

از مولوی یوسف حسین نور قادری ایم اے

# آفتابِ اسلام کی پہلی کرن

دوسری صدی ہجری اسلام کی ترقی کا وہ دور ہے جب کہ اسلامی وفود بسلسلۂ تبلیغ دین متین کہیں بعزم تجارت کہیں بلباس درویشی بارادہ سیر و سیاحت کہیں بقصد معلومات عام طور پر آمد و رفت رکھتے تھے چنانچہ ایک حجازی وفد بندرگاہ جدہ سے حضرت سیدنا آدم علیہ السّلام کی قدم گاہ کی زیارت کے لئے بادبانی جہاز پر روانہ ہوا۔ سراندیپ جسے آج لنکا کہتے ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے وہ مقام ہے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السّلام کے قدم جنت سے پہلی بار دنیا میں آئے تھے۔ باد مخالف نے جہاز کا رخ لنکا کی طرف سے بدل دیا۔ یہ بیڑا بھٹکتا بھٹکتا ساحل مدراس تک پہنچ گیا شہر کدنگلور کے بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ بنگلور کا راجہ سامری اس وقت علاقہ مدراس، کا حکمراں تھا۔ اپنے عدل و انصاف آئین پسندی و اخلاق، انسانی ہمدردی اور مذہبی رواداری کے لئے خصوصی شہرت رکھتا تھا۔ شہر کدنگلور اس کی راجدھانی کا صدر مقام یا تخت گاہ تھا۔ اس شہر میں یہود اور نصاریٰ کی آبادی بھی۔ بسلسلۂ تجارت موجود تھی جس کے ذریعے سے اسلامی تہذیب کا تذکرہ راجہ کے دربار میں ہوتا رہتا تھا۔ بندرگاہ کے متعینہ عملہ نے اس جدید اسلامی جہاز کی آمد کی اطلاع راجہ سامری کے دربار تک پہنچا دی۔ راجہ نے اپنے اخلاق بے پایاں سے مہمانوں کو ان کی شایان شان مہمانداری کے ساتھ ساتھ شہر میں فرد کش ہونے کی اجازت دی اور ان کے آسائش و آرام کے لئے احکام صادر کئے۔ اس جہاز کے معزز افراد حضرت مالک بن دینار و شریف بن مالک و مالک بن حبیب بن مالک وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

راجہ سامری نے ایک دن اپنے ان معزز مہمانوں کو اپنے دربار خاص میں بلایا۔ بذریعہ ترجمان گفتگو شروع کی رسمی بات چیت کے بعد ملت و مذہب پر تذکرہ ہوا۔ راجہ نے کہا میں نے عرب کے جدید مذہب کا تذکرہ تو شامی عراقی یہود و نصاریٰ کی زبانی تو ضرور سنا ہے۔ لیکن آج یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ حضرات سے جو مذہب اسلام کے خود پیرو ہیں۔ پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ ہاں ہاں مجھے تفصیل کے ساتھ پیغمبر اسلام کی زندگی کے حالات اور ان کے اخلاق و عادات، ان کی تعلیمات، ان کے معجزات کا علم کرائیے۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا تقدیس و عظمت مسلمہ ہے۔ حضرت مالک بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی خطابت و فصاحت مشہور ہے۔ نہایت موثر انداز میں راجہ سامری سے گفتگو فرمارہے تھے۔ راجہ سامری کے قلبی تاثرات کا اظہار اس کی چمکتی ہوئی پیشانی اور اس کے تبسم آفریں لبوں سے ہو رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع حیات سن سن کر راجہ کے قلب میں نور ایمان ترقی کرتا جاتا تھا۔ اور وہ بار بار بعض واقعات کی وضاحت کی فرمائش کرتا تھا۔ اسی دوران میں راجہ سامری نے تقاضا کیا کہ اپنے رسول کے معجزات خاص کا تذکرہ کیجئے۔ حضرت مالک بن حبیب نے کہا مکہ میں کفار متحد ہو کر یہ رائے قائم کی کہ اب تک جو معجزات ہم نے پیغمبر اسلام کے دیکھے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ سحر یا نظر بندی کے زیر اثر ہوں۔ لہٰذا ایک ایسی بات کے لئے ہادی اسلام سے کہا جائے جس کو وہ ہرگز کر نہ سکیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک شب جب چودھویں رات کا چاند آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ ہمارے سرکار سے کہا جب ہم آپ کو سچا رسول جانیں گے کہ اگر آپ چاند کو دو ٹکڑے کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مجمع کفار کے ساتھ جبل ابو قبیس پر تشریف لے گئے۔ اور اپنی انگشت مبارک کو چاند کی طرف اٹھایا اور کچھ دعا مانگی۔

تمام کفار نے دیکھا بدر کامل درمیان میں سے شق ہوا اور

اس کا نصف حصہ مشرق کی طرف اور نصف حصہ مغرب کی طرف اپنے مرکز سے ہٹ گیا۔ اور تھوڑے وقفہ کے بعد دونوں ٹکڑے چاند کے بدستور مل گئے۔

راجہ سامری نے حضرت حبیب بن مالک کی اس تقریر کو نہایت غور اور تعجب کے ساتھ سنا اور ناقدانہ انداز میں کہا اے لوگو! اگر آپ سچ سچ کہہ رہے ہیں اور اس چیز میں کسی جادو ٹونہ وغیرہ کا دخل نہیں ہے تو یہ معجزہ نہایت زبردست ہے۔ چاند کا شق ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ چاند جس طرح عرب میں نوربار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں بھی جلوہ فگن رہتا ہے۔ چاند اگر واقعی شق ہوا ہوگا۔ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا شق ہونا عرب والوں ہی نے دیکھا ہو بلکہ ہمارے یہاں کے لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا۔

ہمارے آباؤ اجداد ستارہ پرست تھے۔ وہ راتوں کو اپنے شاہی محلات کی چھت پر بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے ہمارے ملک میں صدہا برس سے یہ قانون جاری ہے کہ جب کوئی عجیب بات ظہور پذیر ہوتی ہے یا کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے۔ تو اس کو سرکاری دفاتر میں فوراً تحریر کر لیا جاتا ہے۔ ہمارے مورثوں کا قدیم دفتر کتابت محفوظ ہے اگر معجزہ شق القمر کا ہونا صحیح ہے تو میں نوشتہائے سابقہ کی تحقیقات کا حکم دیتا ہوں۔ اس ملاقات کا سلسلہ اس گفتگو پر ختم ہو گیا۔ عربی مہمان اپنی اقامت گاہ کو واپس آئے۔ راجہ سامری نے اپنے ناظم کتب خانہ کو حکم دیا کہ اب سے ۲۰۰ برس پہلے کے کاغذات نکال کر ہمیں ملاحظہ کرائے جائیں۔

تعمیل کی گئی۔ کاغذات کہنہ میں ایک بیاض فریطہ کے اندر محفوظ راجہ کے سامنے پیش کی گئی۔ راجہ نے دیکھا اس کے اجداد میں سے ایک راجہ کے قلم سے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ کہ ہم نے فلاں ماہ کی فلاں تاریخ کو آسمان پر یہ واقعہ دیکھا کہ دفعتاً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ سامری نے جس وقت یہ عبارت پڑھی۔ نور ایمان اس کے قلب میں موجزن ہوا صداقت اسلام اور معجزہ خیر الانام کا یہ اثر ہوا کہ اسی وقت وہ صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ مگر چونکہ نہایت عقل مند اور صاحب فہم و فراست تھا۔ اپنے اسلام کا اعلان مناسب نہیں سمجھا اور اہلیان حکومت اور افراد رعیت سے اس چیز کو صیغۂ راز میں رکھا دوسرے دن پھر خلوت میں مہمانوں کو بلایا اور ان کے سامنے صداقت اسلام کا اقرار و اظہار کیا اور ان سے بھی تاکید کی کہ وہ اس راز کو ظاہر نہ کریں۔ عربی وفود کو انعام عطایا سے مالا مال کر کے ان کو قدمگاہ حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کی اجازت دی۔ حضرت مالک بن حبیب سے تنہائی میں وعدہ لیا کہ زیارت سے واپسی کے بعد پھر دوبارہ یہاں ضرور تشریف لائیں۔

سامری کے دل میں محبت اسلام کا جوش اور دیار نبی کی زیارت کا شوق روزانہ ترقی کر رہا تھا۔ اس نے تمام عزائم کی تکمیل کے سامان مرتب کر لئے تھے۔ اور وہ بے چینی کے ساتھ وفد کی واپسی کا منتظر تھا۔ یہاں تک کہ یہ زائرین قدم گاہ اپنے وعدے کے مطابق کدنگلور واپس آئے۔

اس مرتبہ ان بزرگوں کے استقبال میں شاہانہ جاہ و حشم کی خصوصیات بھی شامل تھیں۔ ایک غیر مسلم راجہ کی مہمانی میں پرستاران توحید کی یہ عزت و عظمت اہل ریاست کے لئے بڑی قابل غور تھی۔ چونکہ راجہ سامری کی عقیدت و ارادت ہر قلب میں جاگزیں تھیں۔ اس کی مہمان نوازیاں مشہور تھیں۔ اس لئے رعایا اور عمائد حکومت میں کچھ زیادہ شک و شبہ نہ تھا۔ راجہ سامری نے مستحکم ارادہ مکہ و مدینہ کی حاضری کا کر لیا تھا۔ اس کو اعلانیہ انجام دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک دن ایک خاص دربار منعقد کیا جس میں مخصوص ارکان دولت اور خصوصی بزرگان قبیلہ کے سوا کسی کو باریابی کا حکم نہ تھا۔

اس اجلاس میں اس نے بیان دیا کہ کئی ہفتے سے میرا قلب اس طرف راغب ہے کہ میں کچھ دن عالم تنہائی میں ہجوم خلائق سے ترک علائق

## دلی کا پہلا اردو اخبار

۱۸۳۶ء تک پریس پر متعدد پابندیاں عائد تھیں۔ اور جب اسی سال پریس کو آزادی حاصل ہوئی تو مولانا محمد باقر نے دلی سے سب سے پہلا اخبار جاری کیا اس اخبار کی نوعیت ادبی تھی۔ اس میں ذوق، مومن، غالب اور دیگر معاصرین کی منظومات بھی شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اس اخبار میں زبان اور محاورات پر طویل بحثیں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

کر کے تپشیا میں مشغول ہو جاؤں۔ ایام عبادت میں کسی کو مجھ سے ملنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میری غیر حاضری کے زمانے میں کاروبار حکومت کے نظم و ضبط کے لئے ایک دستور العمل بنا کر آپ لوگوں کے سپرد کر دوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تمام خیر خواہان دولت اس آئین حکومت کی ترویج و تعمیل میں کسی وقت کوتاہی نہ کریں گے۔

راجہ کی تقریر سننے کے بعد تمام حاضرین نے حلف وفاداری اٹھایا اور سب نے عہد اطاعت خلوص کے ساتھ کیا۔ اوّل تو راجہ سامری کی عام طور پر تمام راجہ دھانی میں پرستش کی جاتی تھی۔ اب جو یہ تپشیا کا اعلان کیا تو ہر طرف یہ اعتقاد ہو گیا کہ راجہ دیوتاؤں میں شامل ہو جائے گا۔ اب اس کے احکام کی مضبوطی سے تعمیل ہونے لگی۔ راجہ سامری نے ملنگی زبان میں دستور حکومت مرتب کیا جس میں خاص قانون یہ بنایا کہ ہوس ملک گیری سے حکمران ملیبار کو دامن بچانا، دوسرے ممالک پر حملہ کرنا، انسانوں کو قتل و ہلاکت سے پرہیز کرنا چاہیئے اپنے ملک میں راجہ کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔

اس دستور نامہ کی نقلیں تمام ملک ملیبار میں بھیجی گئیں اور ہر جگہ اس پر عمل درآمد کیلئے حلف و معاہد اطاعت لئے گئے دستور العمل کی اشاعت کے بعد راجہ نے اپنی تلوار امرار حکومت میں سے ایک صاحب اقتدار امیر کو عطا فرما دی۔ اور اس سے کہا کہ اس تلوار کے ذریعے جس قدر ملک تو فتح کر سکے گا وہ تیری حکومت میں پشت در پشت رہے گا۔ جو شخص تیری نسل سے والئ ملک ہوگا۔ وہ راجہ سامری کے خطاب کے ساتھ حکومت کرے گا۔

ان تمام انتظامات کے بعد اس نے ایک خاص مقام اور خاص رات کا اعلان کیا کہ میں فلاں مقام پر فلاں شب سے تپشیا میں مشغول ہو جاؤں گا۔ کوئی شخص ایک ہفتہ تک ہرگز ہرگز اس مقام پر نہ جائے۔ اور نہ مجھ سے ملنے کا ارادہ کرے یہ امورات ملکی کا نظم

تھا۔ دوسرے طرف اس نے عربی قافلے کو حکم دیا کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ مال و متاع سامان و اسباب کی ضرورت ہو خاموشی کے سا[تھ] فراہم کر لیں۔ اور فلاں بندرگاہ پر اپنے بیڑے کو روانگی کے لئے تیار رکھیں مالک بن حبیب نے اپنی کشتیوں کا بڑا اہتمام ساز و سامان اور رسد وغیرہ سے بخوبی مکمل کر لیا۔ اور راجہ کی نشان دہی کے مطابق پورے بیڑے کو مقام مقررہ کو پر پہنچا دیا۔ وقت مقررہ پر راجہ سامری بہ ہمراہی مالک بن حبیب ساحل ملیبار سے مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ گذرنے کے بعد ریاست ملیبار کے عوام و خواص اس محل میں جہاں سامری عبادت کے لئے قیام پذیر ہوا تھا۔ داخل ہوئے بالاخانے کی چھت پر دیکھا کہ راجہ سامری کی نعلین چوبی (کھڑاؤں) اور غسل کے دیگر اشیاء موجود ہیں۔ مگر سامری کہیں موجود نہیں۔ ایک غلغلہ عام بلند ہوا کہ راجہ آسمان کے دیوتاؤں کی ملاقات کو آسمان پر تشریف لے گیا چنانچہ رعیت میں صدیوں تک یہ رسم جاری رہی کہ جب وہ رات آتی جس میں راجہ سامری چشم مردم [سے] پوشیدہ ہوا تھا۔ عام جشن منا[یا] جاتا۔ ہر قسم کی پرستش اپنے خیالات و اعتقادات کے مطابق کی جاتی۔ اور قصر شاہی جو عظیم الشان مندر بن چکا تھا آراستہ کیا جاتا۔ سامان غسل اور ایک جو[ڑی] کھڑاؤں محل کے چھت پر رکھ دی جاتی تاکہ جب راجہ آسمان سے نزول کرے تو غسل کر کے نیچے آ سکے۔ مالک بن حبیب کا جہازی [قافلہ] ملیبار سے روانہ ہو کر بندرگاہ قلندریہ میں لنگر انداز ہوا۔ راجہ سامر[ی] نہایت خوش و خرم ایک سچے مسلمان کی طرح قافلہ کے ساتھ ادا[ئے] فرائض نماز میں مشغول تھا۔ قلندریہ میں یہ قافلہ ایک رات دن مقیم ر[ہا] یہاں سے کشتیاں روانہ ہوئیں تو راجہ سامری کی طبیعت ناساز ہو گ[ئی] یہ بیڑا بندر شیخ پر لنگر انداز ہوا۔ راجہ کی طبیعت اب زیادہ نڈھال ہو چکی تھی۔ تمام عرب ہر قسم کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ مالک

## مجموعہ تعزیرات ہند

شمس العلماء ڈاکٹر نزیر احمد نے برطانوی حکومت کے حکم سے قانون کا اردو ترجمہ کیا۔ مجموعہ تعزیرات ہند اس سلسلے کی اردو میں پہلی مبسوط اور منضبط کتاب ہے۔ جس کی اصطلاحات آج بھی ان عدالتوں میں اور تھانوں کے زیر استعمال ہیں جہاں اردو کو حرف غلط کی طرح اڑا دیا گیا۔

بن حبیب نے راجہ سامری سے کہا آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو آپ کے ملک میں آپ کو واپس لے چلیں۔ ورنہ جو حکم ہو ہم اس کی بجاآوری کے لئے بسر وچشم حاضر ہیں۔ ہم ابھی تک آپ کے ملک میں اسلامی خدمت کچھ انجام نہ دے سکے۔ آپ اگر اپنی ریاست میں ہمیں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آسانیاں بہم پہنچا سکتے ہوں تو اس کے لئے ہمیں کوئی ایسی تحریر لکھ دیجئے کہ آئندہ جب کوئی اسلامی وفد ممالک ملیبار میں داخل ہوں تو ان کو راجگان ملیبار داخلہ کی اجازت دے دیا کریں جس طرح یہود و نصاریٰ کو آپ نے اپنے ملک میں مراعات عطا فرمائیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو آپ کے قائم مقام رعائتیں بود وباش تجارت، وزراعت وغیرہ کی رعایت دے دیا کریں۔

راجہ سامری نے ہمراہیان سفر کی اس گفتگو کو پورے غور و فکر سے سننے کے بعد ایک فرمان اپنے اہلیان حکومت عمائد قبیلہ کے نام لکھا۔ اس میں ظاہر کیا کہ میں آکاش کے بڑے دیوتا کے حکم کے مطابق آپ لوگوں سے جدا ہو کر اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ جب اس خالق مطلق کا حکم ہوگا تو پھر آپ سے ملوں گا۔ میں نے جو دستور العمل حکومت کے نظم ونسق کی بابت آپ کو بنا کر دیا ہے اس کی پوری طرح تعمیل کی جائے۔ میرے احکام کی بجاآوری میں سرمو فرق نہ آنا چاہیئے۔ آپ تمام لوگوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ میں آپ لوگوں کے اندر موجود ہوں۔ اور آپ کے ہر کام کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر آپ نے میرے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کیا تو سلطنت کی پائداری اور رعیت کی بحالی میں برابر ترقی ہوتی رہے گی۔ اس کے بعد فرمان میں لکھا تھا کہ ہماری موجودگی میں امرائے عرب مالک بن حبیب وغیرہ جن کی مہمان داری آپ لوگ کر چکے ہیں آئے تھے ممکن ہے کہ پھر یہ اہل عرب یا ان کے دیگر ہم مذہب ہمارے ملک میں آئیں۔ چونکہ یہ لوگ نہایت سلیم النفس اور پاکیزہ عقائد و دیانت وامانت کے حامل ہیں۔ ان لوگوں سے کسی قسم کی بددیانتی بدعہدی کا خطرہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ ہر قسم کی اعانت و رعایت کی جائے۔ یہاں تک ان لوگوں کی دلجوئی اور تکریم کی جائے۔ کہ یہ لوگ ہمارے ملک کو اپنا ملک تصور کرنے لگیں۔

اور ہمارے شہروں میں سکونت اختیار کرنے پر مائل ہو جائیں ان لوگوں کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی دی جائے اگر یہ لوگ اپنے عبادت خانے ہمارے یہاں بنانا چاہیں تو ان کی امداد کی جائے۔ بالکل جس طرح ہم نے دیگر اقوام کو رعایات عطا کی ہیں۔ ان کو عام طور پر تجارت اور سیر وسیاحت کی تمام ملک ملیبار میں اجازت دی جائے۔

یہ دستاویز راجہ سامری نے سربمہر کر کے مالک بن حبیب کے سپرد کی اور فرمایا کہ جب آپ ملیبار پہنچیں تو حاکم کدنگلور کو یہ میرا مہری لفافہ خود پہنچا دیں۔ یہ خیال رہے کہ میں اس مرض سے شاید جانبر نہ ہو سکوں میرے فوت ہونے کی خبر اہل کشتی کو نہ ہونے دیں۔ اور مجھے نہایت خاموشی سے دفن کر دیں۔ میرے لئے دعائے مغفرت کریں۔ جب آپ ملیبار جائیں تو ہرگز میرے مرنے کا تذکرہ نہ کریں۔ اس کے بعد راجہ سامری نے اپنا تمام نقد و اسباب اہل کشتی پر تقسیم کر دیا۔ مالک بن حبیب نے شہر سنجر میں راجہ کی علالت کے باعث کئی روز قیام کیا علاج ومعالجہ میں ہر قسم کی سعی کی مگر وقت آچکا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد راجہ سامری جو اس وقت ایک اسلامی بزرگ تھا۔ اسی مقام پر راہی عالم بقا ہوا شہر سنجر میں مدفون کیا گیا۔

راجہ سامری کے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ جس کو تاریخ فرشتہ میں صحیح بتایا گیا ہے۔ راجہ سامری نے اپنے شہر میں معجزہ شق القمر دیکھا اور اس تحقیق کے لئے کہ چاند کس طرح شق ہوا۔ ایک جماعت تحقیق کنندگان کی مختلف دیار و امصار کو اس نے روانہ کی اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ معجزہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے سرزد ہوا ہے اس کو حاضری دربار رسالت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ راجہ سامری بذریعہ کشتی ملیبار سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچا۔ زیارت کعبہ کی اس کے بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ ایک جماعت اسلامی کے ساتھ با اجازت حضور پُر نور وطن واپس ہوا۔ اثنائے راہ میں شہر ظفار پہنچ کر مرض موت میں گرفتار ہو کر واصل بحق

ہوگیا۔ اور وہیں دفن ہوا اس کی زیارت گاہ شام ہے۔

مالک بن دینار اور مالک بن حبیب کا قافلہ شہر بحر سے بذریعہ بادبانی کشتیوں کے ملیبار پہنچا اور راجہ سامری کا فرمان حاکم کدنگلور کو دست بدست مالک بن حبیب نے پہنچایا۔ حاکم کدنگلور نے راجہ کی سرمہر کو شناخت کرکے لفافہ کو تعظیم و تکریم سے کھولا۔ خط کی شناخت کی خط کو آنکھوں سے لگایا۔ مالک بن حبیب سے دریافت کیا۔ ہمارے مہاراج کیا آپ کے ساتھ گئے تھے۔ ان کو آپ نے کہاں چھوڑا۔

" مالک بن حبیب ہمارا بیڑا بندرگاہ شیخ پر لنگر انداز تھا۔ ایک دن ہم نے خلاف توقع راجہ صاحب کو بندرگاہ سنجر میں سمندر کے کنارے بہتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے دریافت کیا۔ آپ یہاں کیونکر پہنچے۔ مگر راجہ صاحب نے کوئی توجہ ہمارے معروضہ کی طرف نہ فرمائی۔ ہم نے عرض کیا۔ ہم لوگ آپ کے ملک میں حاضر ہونے کا مقصد رکھتے ہیں بہ کمال شفقت یہ فرمان لکھ کر ہم کو دیا۔ اور فرمایا کہ حاکم کدنگلور کو دینا اسکے بعد ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ اس سے زیادہ ہم راجہ صاحب کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

حاکم کدنگلور نے راجہ کا یہ فرمان ایک دربار منعقد کرکے عام رعایا کو سنایا۔ اور مالک بن حبیب سے راجہ کی ملاقات کا تذکرہ مکرر بیان کرایا۔ اب تو تمام باشندگان کدنگلور میں سابقہ عقیدت اور بھی پختہ ہوگیا۔ تذکرے ہونے لگے۔ راجہ بندرگاہ سنجر میں آسمان سے اترے اور پھر وہیں سے آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس فرمان سے از سر نو ریاست میں شادمانی اور مسرت کا دور دورہ ہوا۔ عربی وفد کی دعوتیں مہمانیاں شروع ہوئیں۔ اور لوگ دور دور سے ان بزرگوں کی زیارت کے لئے آنے لگے عمائد شہر نے بڑی تعظیم و تکریم سے ان کو شہر کی اقامت پر مائل کرنے کی سعی کی۔

منجانب حکومت تمام حدود ریاست میں گشتی احکام جاری ہوئے کہ مالک بن حبیب نے اور ان کے ہمراہیان عرب ہمارے معزز مہمان ہیں جہاں یہ لوگ پہنچیں تمام لوازم تکریم و تعظیم و مہمانداری بجالائے جائیں۔ اگر کسی شہر اور قصبہ میں یہ لوگ سکونت پسند کریں تو ان کو مکانات اور آراضیات فراہم کی جائیں انکو مساجد اور خانقاہیں بنانے کی عام اجازت دی جائے۔

یہ وہ رعایتیں تھیں جو عرب مسلمانوں کو حکومت ملیبار نے عطا فرمائیں۔ چنانچہ اہل عرب نے کدنگلور میں اقامت اختیار کی۔ سب سے پہلی مسجد احاطہ مدارس کی سرزمین پر مالک بن دینار نے کدنگلور کے اندر تعمیر کی۔ مکانات۔ باغات و سرائے بھی تعمیر ہوئیں۔ بعض اہل عرب مستقل طور پر یہاں آباد ہوئے اور نہایت سادگی کے ساتھ تبلیغ اسلام میں مصروف ہوئے۔

حبیب بن مالک نے کدنگلور سے اپنا تبلیغی دورہ شروع کیا کولم۔ بلی مارادی۔ حرقیں درقیں قلندریہ حالیات۔ خالنور۔ بنگلور کالنجر کوٹ وغیرہ میں ہزاروں افراد کو حلقہ اسلام میں داخل کیا۔ ہر جگہ مساجد کی تعمیر کی ہر جگہ آئمۂ مساجد مقرر کئے۔ باتباع حضرات صحابۂ کرام مبلغین کی تربیت فرمائی گئی دیگر افراد اہل عرب بھی برابر اس نواح میں آباد ہوتے رہے تھوڑے زمانہ میں تمام احاطۂ مدراس میں اسلام کی اشاعت عام ہوگئی۔ یہود و نصاریٰ نے اگرچہ ہر قدم پر مزاحمت کی مگر ان کی سعی رائیگاں حق کی آواز کو نہ دبا سکی۔

موپلا عرب جنھوں نے ۱۹۲۰ء کے بعد انگریزوں کے مقابل میں علم آزادی صوبہ مدراس میں بلند کیا تھا۔ انھیں مبلغین عرب کی اولاد ہیں۔ یہ تھی وہ پہلی کرن آفتاب اسلام کی جو حضرت حبیب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض قدوم سے جنوبی ہندوستان میں نور بار ہوئی۔

---

حضرت رازؔ الہ آبادی

# احساسِ دلخراش

کب تک وہ چاند لوٹ کے آئے گا دوستو
کب تک کوئی چراغ جلائے گا دوستو

یہ دَور تم کو راس نہ آئے گا دوستو
ہر ہر قدم پہ خون رُلائے گا دوستو

آخر مرے وطن میں شہیدوں کا قافلہ
کب تک سَروں کی فصل اگائے گا دوستو

ذہنوں کا تلخ زہر زبانوں تک آگیا
کیا اب بھی تم کو ہوش نہ آئے گا دوستو

تم سو گئے تمھارے یہ رہبر بھی سو گئے
آخر اب اُن کو کون جگائے گا دوستو

جس نے دیئے فریب محبت کے نام پر
کیا وہ کبھی فریب نہ کھائے گا دوستو

مُرجھا گئے ہیں پھول تو کلیاں اُداس ہیں
اب کون اس چمن کو سجائے گا دوستو

علم و ادب کا شہر ہے مقتل بنا ہوا
کب تک کوئی قلم نہ اُٹھائے گا دوستو

کیا جانے کتنی مانگوں کے سیندور اُڑ گئے
اس کا حساب کون لگائے گا دوستو

کتنے ہی چاند غم کے اندھیروں میں کھو گئے
اب کون ان کو ڈھونڈ کے لائے گا دوستو

ذہنوں میں جو خلوص کی خوشبو بکھیر دے
وہ موسمِ بہار کب آئے گا دوستو

ان قاتلوں سے کہہ دو کریں اور ہاتھ صاف
یہ دَور پھر پلٹ کے نہ آئے گا دوستو

برسوں سے انتظار ہے جس انقلاب کا
آخر وہ انقلاب کب آئے گا دوستو

روکے نہ رُک سکے گا مشیت کا انتقام
کب تک یہ خون رنگ نہ لائے گا دوستو

اس بے وفا سے لاکھ وفائیں کرو مگر
تم کو وہ بے وفا ہی بتائے گا دوستو

قاتل ہمیں ہیں اور ہیں مقتول بھی ہمیں
یہ رازؔ ابھی سمجھ میں نہ آئے گا دوستو

حضرت علامہ عبداللہ خاں صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ

# گواہی اور قسمیں احتیاط

نظام عدلیہ میں "شہادت" کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا انکار ناممکن ہے۔ کوئی نظام عدلیہ اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس لئے اسلام اس کے متعلق قوانین اور ضابطے متعین کرتا ہے۔ اس کے قوانین و دفعات اس بارے میں نہایت واضح اور مبنی بر حقائق ہیں، اس پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں انسانی حقوق کی حفاظت اس طرح ہو سکتی ہے کہ دوسرے نظام عدلیہ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ لیکن اس بوالہوسی دنیاداری، بیجا عصبیت اور مذہب سے بے گانگی کے دور میں جہاں اور اسلام کے بہت سے زریں اصول کو چھوڑ کر تباہی اور بربادی مول لی جاتی ہے۔ وہیں اسلام کے ضابطہ شہادت و عدالت کو پس پشت ڈال کر جرائم پیشہ حیوان صفت انسانوں کی ہمت افزائی کی جارہی ہے۔

چنانچہ آج دیکھا جارہا ہے کہ جھوٹی شہادتیں اور گواہیاں عام ہوتی جارہی ہیں۔ جو شخص کسی کو اپنی مفاد پرستی کے لئے آلہ کار نہ بنا سکا۔ بس اس کے خلاف اتہامات و الزامات کی بھرمار کر دیتا ہے۔ آئے دن کے واقعات اور مشاہدات ہیں۔ کہ بے گناہ کو اپنی ذاتی دشمنی و عناد کی بنا پر ہر قسم کی بدکاری اور سیاہ کاری کا مورد قرار دیا جاتا ہے۔ اور جرائم پیشہ لوگ نہایت جرات و بیباکی کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھتے ہیں۔

اسلام "شہادت" کے بارے میں پہلے انسان کے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دیکھو کسی بے گناہ کو کسی جرم و گناہ میں پھانس کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے بغض و عناد کی آگ بجھا سکتے ہو۔ لیکن اس کا انجام خود تمہارے حق میں بہت خطرناک ہے۔ اس سے تمہاری مروت و کردار کی دنیا میں آگ لگ جاتی ہے۔ جس کے شعلے بڑے ہی شرربار ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کہ اس آگ میں تمہارے ہی ہستی جل بھن کر خاکستر ہو جائے۔ جھوٹی شہادتوں کے بارے میں اس قدر تہدیدی روایتیں ہیں۔ کہ اگر ان کا احصا کیا جائے اور ان کی توضیح و تشریح کی جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ اس لئے ہم چند احادیث کریمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم باکبر الکبائر ثلثا، قالوا بلیٰ قال الاشراک باللہ وحقوق الوالدین وجلس وکان متکئا فقال الا وقول الزور فمازال یکررھا حتیٰ قلنا لیتہ سکت۔ (حدیث)

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تین سب سے بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ضرور آپ ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور آپ بیٹھے رہے اور کسی چیز کا سہارا لئے تھے) پھر فرمایا کہ جھوٹی شہادت اور بہت دیر تک اس کی تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم لوگوں نے تمنا کی کہ کاش حضور سکوت فرماتے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں زبان نبوت کا طرز ادا کچھ ایسا ہے۔ کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی اہم بات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرے نمبر پر خاموش ہو جانا۔ گویا اس مقصد کی طرف واضح

اشارہ ہے ۔کیا یہ سب امور اس بات کی علامت نہیں کہ جھوٹی شہادت بدترین گناہ اور جرم ہونے کے علاوہ اخلاقی حیثیت سے انسان کی موت کا سبب ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں ۔ اور یہ بتانا چاہتے ہیں ۔کہ اگر اس قسم کی عادت کا زہر ہماری امت میں سرایت کر گیا ۔ تو اس کی غیرت وحمیت مردہ ہو جائے گی ۔ نیز انسانیت کی تباہی و بربادی کا سبب ہو گا ۔ معاشرہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچ جائے گا ۔ عزت انسانی پائمال ہو جائے گی ۔ اس سے بڑھ کر آپ ترمذی شریف کی حدیث ملاحظہ فرمائیں ۔

عن ابی خزیمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا قال ایھا الناس عدلت شھادۃ الزور اشراکا باللہ ثم قرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ (حدیث)

ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگوں جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے اور اس کے بعد آیت فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور تلاوت فرمائی ۔

کیا اسلامی دل و دماغ والا انسان اس تہدید اور تشدید سے کانپ نہیں اٹھے گا ۔کیا اس کے رونگٹے کھڑے نہ ہو جائیں گے ۔ کیا پھر کوئی لالچ یا کسی قسم کا بغض و عناد یا اپنا ذاتی مفاد اس طرح کی نازیبا حرکت اور انسانیت سوز سلوک کا باعث ہو سکتا ہے یہ ہے ایک طرف جھوٹی شہادت کے متعلق تہدید و ترہیب اور سچی شہادت کے لئے انسانی دل و دماغ کو تیار کرنا ۔ اب آپ دوسری طرف کتمان شہادت کے بارے میں قرآن حکیم کی آیت ملاحظہ فرمائیں ۔

ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ ۔

یعنی شہادتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے ۔کہ کتمان شہادت نہ کرو ۔ اور جو شخص ایسا کرے ، تو اس کا دل گناہ میں مبتلا ہو گا یعنی جب تم دیکھو کہ انسانی حقوق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے ۔ اور جب ظلم و عدوان اپنی حد سے بڑھ جائے ۔ تو اس وقت تم اپنے بھائی کے حقوق کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آ جاؤ ۔ اور صاف صریح لفظوں میں شہادت پیش کر کے اس کے حق کی حفاظت کا ثواب حاصل کرو ۔ اگر تم نے اس بارے میں سستی و تساہلی سے کام لیا ۔ یا تم کسی قوت و طاقت سے دب کر کتمان شہادت کے جرم کے مرتکب ہوئے ۔ تو تمہارا دل و دماغ گمراہی اور گناہ میں مبتلا ہو گا ۔ اور تمہارا قلب فاسد ہو جائے گا ۔ اور تمہارے دل سے نور انسانیت کی شمع بجھ جائے گی ۔ دیکھئے کتنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے شہادت کی فرضیت کا اعلان کیا جا رہا ہے ۔

اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جھوٹی شہادتوں کو حتی الامکان ختم کرنے کی عملی تدابیر اختیار کی گئیں ۔ اس کا اندازہ آپ درج ذیل امور سے بخوبی لگا سکتے ہیں ۔

(۱) شخص کی حیثیت جب مجروح ہوتی ہے ۔ تو اس کے قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور کذب بیانی کا احتمال بڑھ جاتا ہے ۔ اسی لئے شہادت جیسے اہم معاملات میں اسلام نے عادل ہونے کی شرط ضروری قرار دی ہے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک و صاف ہو اور وہ شخص بالکل فرشتہ صفت ہو بلکہ اسلامی قانون کے مشہور و ماہر علامہ برہان الدین مرغینانی کے الفاظ یہ ہیں ——

ان العدل فی الشہادۃ ان یکون مجتنبا من الکبائر ویکون صلاحہ اکثر من فسادہ وصوابہ اکثر من خطائہ ۔

یعنی شہادت کے معاملہ میں عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبائر سے احتراز کرتا ہو اور گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو ، اور اس کا صلاح اس کے فساد اور اس کا ثواب اس کے خطاء سے زیادہ ہو ۔

(۲) مدعی اور شاہد کے باہمی ارتباط کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اسلام اس کو بھی دیکھتا ہے کہ ان دونوں میں کہیں خاندانی

رشتہ اور کوئی تعلق تو نہیں۔ کہ جس کی بنا پر شاہد کی عصبیت کذب کی
طرف مائل کر رہی ہو۔ اس لئے جہاں جہاں ایسے تعلقات نظر آئے
ان میں شاہد کی شہادت مدعی کے فائدے کے لئے اعتبار نہیں کیا
گیا۔

(۳)۔ صرف عورتوں کی شہادت حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں،
کیونکہ صنف نازک میں نسبتاً نقصان عقل ہوتا ہے۔ اور تاثر
انفعال کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسی لئے وہ جذباتی انداز
میں متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صنف نازک کی ذمہ داریاں
الگ ہیں۔ ہاں ان معاملات میں کہ جن میں ان کے بغیر کام نہیں چل
سکتا۔ ان میں ان کی شہادت معتبر ہے۔ کیونکہ ان معاملات کے
بارے میں مردوں سے معلومات حاصل کرنا بے حیائی اور بے
شرمی ہے۔ بہر حال یہاں بھی احتمال کذب زیادہ تھا۔ اس لئے
عورتوں کی شہادت معتبر نہ ہوئی۔

(۴) اگر یقینی ذریعہ سے معلوم ہو جائے کہ شہادت جھوٹی
ہے۔ یا شاہد اپنے کذب کا اعتراف کرے۔ تو یہی نہیں ہوگا کہ اس
کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ شاہد ہی الٹے مستحق
سزا و عتاب ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک گشتی چٹھی میں اپنے گورنروں میں لکھا تھا کہ یضرب
اربعین سوطا ویسخم وجہہ ویحلق راسہ ویطال
حبسہ یعنی جھوٹی شہادت دینے والوں کو چالیس کوڑے مارا جائے
گا۔ اور اس کا چہرہ سیاہی سے مزین کر دیا جائے گا۔ اور اس کا
سر منڈوا دیا جائے گا۔ اور مدتوں اسے قید میں رکھا جائے گا۔
اس تقریر کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اختلاف
ہے۔ ان کے نزدیک اس کے کذب بیانی کی تشہیر کر دی جائے
گی۔ اور ہر خاص و عام کو اس سے مطلع کر دیا جائے گا۔ بہر حال
ایک آدمی کے لئے یہی سزا کیا کم ہے۔ کہ اس کو بر سر عام رسوا کر
دیا جائے۔ ہاں جس کی غیرت و خودداری مردہ ہو جائے۔ تو
اس کے لئے بڑی سے بڑی سزا کم ہے۔

معلوم ہوا کہ شہادت کی فرضیت کے ساتھ ساتھ احتمالات
کذب کے ختم کرنے کی اسلام نے امکانی صورت سے کوشش کی ہے
لیکن اس سے یہ نہ تصور کرنا چاہیئے۔ کہ ہر معاملہ میں شہادت فرض
ہے۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے گا۔ وہ گنہگار ہوگا۔ بلکہ حقیقت
یہ ہے کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کی پردہ پوشی افضلیت کا درجہ
رکھتی ہے۔ مثلاً زنا، چوری، شراب ایسے جرائم کہ جن کے متعلق شریعت
بیضا نے حدود مقرر کر دیئے۔ اس کی وجہ یہ نہیں (معاذ اللہ) کہ
اسلام ان جرائم کے مرتکب لوگوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ وہ تو
الفتنۃ اشد من الموت، کا پیغام انسانیت کے سامنے پیش
کرتا ہے۔ نیز ان گناہوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ پس
یہ کیسے یقین کرنے کے لئے موقع ملے گا۔ کہ ایسے لوگوں کو اسلام
چھوٹ دینا چاہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ۔ انسان کے اندر خواہش
انسانی کا فطری جذبہ موجود ہے اور اشرف المخلوقات ہوتے
ہوئے بھی گوناگوں خواہشات و جذبات کا مجموعہ بنا رہتا ہے۔
بلکہ اس کے اشرف ہونے کی یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ اپنے
فطری جذبات کو اعتدال و توازن کے ساتھ رکھتے ہوئے اپنی ضروریات
زندگی پوری کرے۔ اور شرعی حدود کا احترام کرے۔ نیز انسان
خطا و نسیان سے مرکب ہے اس لئے ممکن تھا کہ کوئی شخص اپنے
خواہشات نفسانی سے برانگیختہ ہو کر یا بھول کر یا کسی گندے
ماحول میں پڑ کر یا کسی اور وجہ سے ان جرائم کا ارتکاب کر لیتا
پھر اس کے بعد اس کا ضمیر ملامت کرتا۔ اور توبہ و استغفار کر کے
نیکی و بھلائی کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے۔ پس اگر ایسے مجرم کے
لئے بھی شہادت فرض کر دی جاتی۔ اور اس پر ہر حالت میں اپنے
شرعی قانون قائم کر دی جاتی۔ اور وہ بھی اتنی بڑی سزا کہ بعض
حالتوں میں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ تو اس کو موقع نہیں
ملتا کہ اپنی حالت سدھارے۔ اور نیکی و بھلائی کی طرف اپنے کو
مائل کرے۔ اس لئے یہاں اتنی رعایت دی گئی کہ تمہیں پردہ
پوشی کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ اور تمہارے حق میں افضلیت اور
اولیت کا درجہ یہی ہے کہ خواہ مخواہ کے لئے عیب جوئی کر کے حد
شرعی قائم کرنے کے پیچھے نہ پڑو۔ گویا اس طرح اصلاح حال کے لئے

ایک موقع دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کریمہ میں اغماض اور ستر کی تلقین وہدایت دی گئی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔

عن سالم عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم لا یظلمہ ویسلمہ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجۃ ومن فرّج عن مسلم کربہ فرج اللہ عنہ بھا کربۃ من کرب القیمۃ و من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمۃ۔

سالم ابن عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ اس کو رسوا کرے جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت میں کام آیا۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قیامت کی سختیوں سے پردہ پوشی کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرےگا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واما الستر المندوب الیہ ھنا فالمراد بہ الستر علی ذوی الھیات ونحوھم ممن لیس ھو معروفا بالاذی والفساد فاما المعروف بذالک فیستحب ان لا یستر علیہ بل ترفع قضیۃ الی اولی الامر ان لم تخف من ذالک مفسدۃ لان الستر علی ھذا یطمعہ فی الایذاء والفساد وانتھاک الحرکات وجسارۃ علی غیرہ علی مثل فعلہ ھذا کلہ فی ستر معصیۃ رفعت وانقضت اما معصیتہ راہ علیھا وھو بعد متلبس بھا فتجب المبادرۃ بالانکارھا علیہ ومنعہ منھا علی من قدر علی ذالک ولا یحل تاخیرھا فان عجز لزمہ رفعھا الی اولی الامر اذا لم تترتب علی ذالک مفسدۃ۔

لیکن جو ستر مستحب ہے اس سے باعزت لوگوں کی پردہ پوشی مراد ہے جو اذی اور فساد کے ساتھ مشہور نہیں ہیں لیکن جو لوگ مشہور ہیں ان کی پردہ پوشی بہتر نہیں۔ بلکہ ان کا معاملہ اگر کسی فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو تو حاکموں تک پہنچا دیا جائے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی پردہ پوشی لوگوں کے ستانے اور فتنہ وفساد برپا کرنے اور محرمات شرعیہ کا تحس نحس کرنے پر ان کی جرأت بڑھے گی نیز دوسرے لوگوں کو ایسے برے افعال پر جرأت ہوگی یہ تمام باتیں ایسے گناہ کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے جو واقع ہو جائے اور ختم ہو جائے لیکن اگر کوئی شخص اس پر اصرار کرے تو اس کے روکنے و ناپسند کرنے میں جلدی کرنا چاہیئے اور یہ ضروری ہے۔ اگر اس شخص کے لئے جو اس پر قادر ہو اور اس کا موخر کرنا حلال نہیں ہے اور اگر روکنے پر قادر نہ ہو تو عدالت تک معاملہ پہنچا دیا جائے۔ اگر کسی فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

## ناظرین کرام

یہ طویل عربی عبارت بار گراں خاطر نہ ہو۔ علامہ نووی کی اس شرح کو نقل کر کے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ستر اور اغماض صرف اصلاح حال کے لئے ایک قسم کی رعایت ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص گناہ کرتا رہے۔ اور شریعت کے حدود کا احترام اس کے دل سے نکل جائے تو ہمارے لئے بہتر ہے کہ اس کی پردہ پوشی کریں بلکہ ہر دیکھنے والے پر لازم ہے کہ بے قدر استطاعت اس کی روک تھام کرے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو۔ اس کا معاملہ عدالت تک پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے تاکہ ایسے شخص کو اپنے کرتوتوں کی سزا مل جائے۔

---

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

احمد نام، بدر الدین لقب، ابو البرکات کنیت، مجدد الف ثانی اور امام ربانی کی عرفیت سے شہرۂ آفاق ہوئے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں ایک مرتبہ شاہی خزانہ محافظوں کی نگرانی میں جنگل سے گذر رہا تھا جب قافلہ اس مقام پر پہنچا جہاں اب سرہند آباد ہے تو ایک صاحب کشف بزرگ جو قافلے کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ یہ ظاہر فرمایا کہ یہاں پر ایک بہت بڑا ولی اللہ پیدا ہوگا۔ یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے وہاں ایک بڑا شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ تعمیر شہر کا کام امام رفیع الدین کے سپرد ہوا جو حضرت مجدد کے اسلاف میں چھٹی پشت میں سے ہیں۔ ابھی شہر زیر تکمیل ہی تھا تو حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی تشریف لائے۔ انھوں نے امام رفیع الدین کو بتایا کہ وہ ولی جس کے متعلق پیشن گوئی کی گئی ہے۔ آپ کے اولاد میں ہوگا۔

## حسب ونسب

حضرت مجدد الف ثانی کے والد کا نام عبد الاحد ہے۔ جس کا نسب نامہ ۲۶ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ حنفی المذہب چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کے بلند پایہ بزرگ تھے۔

## پیدائش مبارک

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہندوستان میں اس وقت ہوئی جب ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ شرک اور بدعت کا زور تھا۔ دین کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھی۔ فسق وفجور عام تھا۔ حضرت کی ولادت سے قبل حضرت کے والد بزرگوار نے خواب دیکھا کہ تمام دنیا میں ظلمت پھیلی۔ خنزیر، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ کہ اسی اثنا میں ان کے سینے سے ایک نور نکلا۔ اس میں سے ایک تخت نمودار ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے تمام ظالموں زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص باآواز بلند کہہ رہا ہے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ آپ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۴ امئی ۱۵۶۳ء کو جمعۃ المبارک کے دن سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ اس وقت مغل اعظم جلال الدین اکبر سریر آرائے سلطنت تھا۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا۔

## تعلیم وتربیت

زمانہ طفولیت میں سب سے پہلے آپ نے قرآن شریف حفظ کیا اور پھر اپنے والد بزرگوار سے علوم ظاہری پڑھنا شروع کئے۔ جلد ہی درسی علوم سے فراغت پانے کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لائے۔ جہاں مولانا کمال کشمیری سے چند کتابیں پڑھیں، بعد ازاں شیخ حسین خوارزمی کے خلیفہ شیخ یعقوب حرفی سے کتب احادیث پڑھ کر سترہ برس کی عمر میں سند حدیث حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد آپ پوری توجہ سے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابو الفضل اور فیضی نے جو شہنشاہ اکبر کے دست راست تھے۔ آپ کی ذہانت کا شہرہ سن کر آپ کو اپنے حلقۂ احباب میں داخل کرنے کی سعی کی مگر یہ دوستی زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہ سکی کیونکہ ابو الفضل کے خلاف اسلام عقاید امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت گراں تھے۔ تعلیم پوری کرنے کے بعد نوعمری میں حضرت مجدد نے اپنے والد شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر ہدایت سلوک وتصوف کی طرف توجہ کی اور جلد ہی چشتیہ سہروردیہ طریقوں میں اپنے والد بزرگوار سے جو خود بھی بلند پایہ بزرگ

تھے خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

## بیعت

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمت اللہ علیہ نے اپنے مرشد گرامی حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ اس الف ثانی میں ایک بزرگ بندۂ خاص ہونے والا ہے جس کے متعلق بزرگ خبر دیتے آئے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ پیر جس کو ایسا مرید مل جائے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ حسب ارشاد اور اشارہ باطنی اس بندہ خاص کی تلاش میں افغانستان سے ہندستان تشریف لائے۔ دہلی میں قیام فرمایا۔ جلد ہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خرق عادات اور کثرت عبادات کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی۔ اور آپ کے ارد گرد ہزاروں متلاشیان حق جمع ہو گئے۔ مگر جس کی تلاش تھی وہ ابھی تک آپکو نہیں ملے تھے۔ ان ہی دنوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف سے بقصد حج دہلی تشریف لائے۔ اور حضرت خواجہ کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک ہی ملاقات میں خواجہ صاحب کی عظمت و رفعت کے معترف ہو گئے۔ خواجہ صاحب سے داخل سلسلہ ہونے کی درخواست فرمائی۔ حضرت خواجہ کی نگاہ باطن نے دیکھ لیا کہ وہ گوہر مطلوب جس کے شوق نے ترک وطن پر مجبور کیا تھا یہی ہے چنانچہ بلا توقف درخواست بیعت قبول فرمائی۔ امام ربانی نے جلد ہی مدارج سلوک میں اتنی ترقی کی کہ خواجہ باقی باللہ نے خود لوگوں کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تمام خلفاء اور مریدوں کو امام ربانی سے فیضان باطن حاصل کرنے اور آپ کی صحبت میں رہنے کا حکم فرمانے لگے۔

## خرقۂ قادریہ

روضۃ القیومیہ میں درج ہے کہ ایک دن حضرت غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) کسی جنگل میں مراقبہ فرما رہے تھے کہ یکایک ایک نور آسمان سے ظاہر ہوا جس سے تمام عالم منور ہو گیا۔ حضرت غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) کو القاہوا کہ آپ کے پانچ سو سال بعد جب کہ عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گی۔ اس کے بعد ایک بزرگ پیدا ہوگا جو دنیا سے شرک والحاد مٹائے گا۔ دین محمدی کو از سر نو تازگی بخشے گا۔ اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی پھر اس کے بعد حضرت غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) نے اپنا خرقہ مبارک اپنے صاحبزادہ سید تاج الدین عبد الرزاق کے سپرد کر کے فرمایا "جب اس بزرگ کا ظہور ہو تو ان کے یہ حوالہ کر دینا،، اس وقت سے محترم صاحبزادہ کی اولاد میں یکے بادیگرے اسی طرح وہ خرقہ منتقل ہوتا رہا۔ حتی کہ ۱۰۱۳ھ میں حضرت سید شاہ سکندر قادری نے وہ خرقہ حضرت امام ربانی کے حوالہ کیا اس خرقہ کی سپردگی کے لئے آپ کے دادا حضرت شاہ کمال کھیتلی رحمۃ اللہ علیہ) نے ان سے خواب میں فرمایا تھا،، خرقہ کے وارث حضرت شیخ احمد سرہندی ظاہر ہو گئے ہیں۔ خرقہ ان کے حوالہ کرو۔

## پیر اور مُرید

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا "میاں شیخ احمد کے مانند آج زیر فلک کوئی شخص نہیں ہے،، الحمد للہ۔ ہماری تین چار سال کی صحبت رائیگاں نہیں گئی کہ شیخ احمد جیسے عزیز الوجود شخص نے تربیت پائی۔ ایک اور موقع پر فرمایا،، شیخ احمد آفتاب ہیں ہم جیسے ستارے ان میں گم ہیں،، باوجودیکہ حضرت امام ربانی ایسے مقامات بلند مراتب رفیعہ سے سرفراز تھے۔ مگر اپنے مرشد کا اتنا احترام فرماتے کہ اس سے زیادہ ممکن

### اردو میں سب سے پہلا ترجمہ

مصنف سیرۃ المصنفین کا بیان ہے کہ تیرہویں صدی ہجری اور تقریباً انیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے نثر اردو کی ابتداء ہوئی جب کہ میر عطا حسین خاں تحسین چہار درویش کا قصہ اردو میں لکھ کر "نو طرز مرصع،، نام رکھا اس کے بعد بہت سی فارسی، ہندی کتابیں اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ بابو نہال چند لاہوری نے ایک قصہ جو فارسی زبان میں تھا۔ اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کا نام مذہب عشق معروف بہ "گل بکاولی،، رکھا مذہب عشق تاریخی نام ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۷ھ میں ترجمہ ہوئی۔ اس کے بعد پنڈت دیا شنکر نسیم نے اس کو اردو نظم کا لباس پہنایا اور یہ مثنوی "گلزار نسیم" مقبول خاص و عام ہوئی۔

نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی (رحمۃ اللہ علیہ) زبدۃ المقامات،، میں تحریر فرماتے ہیں ،،آپ جیسا نہ کوئی باادب خلیفہ تھا اور نہ ایسا مودب کوئی اور مرید،، ایک موقع پر حضرت خواجہ باقی باللہ نے حضرت امام ربانی کو یاد فرمایا اور جو شخص اطلاع دینے گیا۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت امام ربانی نے اسی طلبی کا حکم سنا تو چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اور بہت متفکر ہو گئے۔

## لقب مجدد الف ثانی

،، مجدد،، تجدید کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور الف ثانی کا مطلب یہ ہے دوسرا ہزار۔ چونکہ آپنے گیارہویں صدی ہجری میں تجدید شریعت جدید معارف،، جدید نکات، جدید اسرار، جدید حالات،، ومقامات علم تصوف میں بیان فرمائے اس لئے آپ مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ کمال الدین محمد احسان نے روضۃ القیومیہ میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ ایک جامع الدرا سے اور دوسری مجمع الجوامع سے۔ (۱) یبعث رجل علی احد عشر مائۃ سنۃ ھو نور عظیم اسمہ اسمی بین السّلاطین الجابرۃ ین یدخل الجنۃ شفاعۃ رجال الوف۔ (ترجمہ) گیارہویں صدی کے شروع میں۔ ایک شخص پیدا ہوگا جو نور عظیم ہوگا۔ اس کا نام میرا نام (احمد) ہوگا۔ دو شاہان جبار کے مابین پیدا ہوگا۔ اس کی شفاعت سے ہزاروں آدمی جنت میں داخل ہوں گے (۲) یکون رجلا فی اُمتی یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ شفاعۃ کذا وکذا۔ (ترجمہ) میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلہ کہیں گے جس کی شفاعت سے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ روضۃ القیومیہ رکن اوّل صفحہ ۲۷۔۲۸

خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں امام ربانی محبوب سبحانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے متعلق تھیں۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف لکھتے ہیں کہ ہم عصر علماء میں سب سے پہلے شیخ الاسلام ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا اور پھر تمام علماء کرام وصوفیائے عظام نے بھی آپ کو مجدد تسلیم کیا۔ مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی من جملہ ان اکابر علماء وصوفیائے کے ہیں۔ جو انہیں مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) تو ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام میں دو حضرات بہت زیادہ عظیم المرتبت ہیں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ احمد سرہندی مگر میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ان میں کون برتر ہے۔

## رشد وہدایت

امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی کے زمانے میں ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ فسق وفجور عام تھا۔ شریعت اسلامیہ کی کھلی توہین ہو رہی تھی۔ اگر ایک طرف بعض صوفیاء احکام شریعت کی تکذیب کرتے سنت نبوی سے بے پرواہ اور سکر کو صحو پر ترجیح دیتے تھے۔ تو دوسری طرف علماء بھی صرف فقہ کو ہی دین سمجھنے لگے تھے قرآن اور حدیث سے جو اسلام کا حقیقی سرچشمہ ہیں، تشبث اور استنباط کرنا چھوڑ چکے تھے۔ روح اسلام فنا ہو چکی تھی۔ علماء مسائل فقہ کی موشگافیوں میں منہمک تھے۔ اور معمولی سی معمولی اختلاف پر سخت سے سخت جھگڑا کیا کرتے تھے' وہ جاہ پرست تھے۔ انھیں ہمیشہ ایسے فتوے دینے کے لئے آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ جس کی رو سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا جا سکے۔

منتخب التواریخ کے قول کے مطابق شہنشاہ اکبر جو اس وقت سریر آرائے تخت تھا۔ قرآن کا منکر ہو گیا تھا۔ حیات بعد الموت یوم جزا کا انکار کرتا تھا۔ سجدہ جسے اسلام نے صرف اللہ کے لئے مخصوص کیا ہے۔ بادشاہ کے لئے لازم قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی میں شراب حلال قرار کی گئی جزیہ موقوف ہو گیا۔ گائے کا ذبیحہ بند کر دیا گیا۔ مساجد اور نماز کے کمرے گوداموں اور ہندوؤں کی چوکیوں میں تبدیل کر دیئے گئے مختصر یہ کہ مسلمان اذیت میں مبتلا تھے۔ کافر علی الاعلان اسلام اور

## اردو کا دامن

فارسی اور اردو میں بڑا گہرا تعلق ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ فارسی اور اردو ایک تصویر کے دو رخ ہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا اس لئے اردو کا دامن آپ بیتیوں سے خالی نہیں رہ سکتا تھا اس میں کچھ آپ بیتیاں ہیں کچھ سفر نامے کچھ ملفوظات ومکتوبات ہیں کچھ ڈائریاں اور روزنامچے بعض کا رنگ بڑا شوخ اور دل کش ہے اور بعض نہایت متین اور خشک ہیں۔

مسلمانوں کا استہزا کرتے تھے۔ ایسے حالات میں ایک عظیم الشان مصلح کی اشد ضرورت تھی جو اپنی توجہ باطنی، قوت عملی، علم و تدبر اور بصیرت ازلی سے ان تاریکیوں اور مایوسیوں کو یکسر بدل کر رکھ دے چنانچہ محبوب سبحانی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ جنھوں نے چند سال ہی میں ملک کی اخلاق و مذہبی قدروں میں انقلاب برپا کر دیا۔ چنانچہ آپ نے مذکورہ بالا حالات کا رخ پھیرنے کے لئے اپنے مریدین میں تبلیغ اسلام اور اتباع سنت کا جذبہ عطا فرمایا۔ اپنی توجہ باطنی سے ہزاروں خوش قسمت لوگوں کا تزکیہ فرمایا۔ اور علوم ظاہری اور باطنی سے بہرہ مند فرما کر اندرون ملک مختلف مقامات پر رشد و ہدایت کے لئے بھیجا جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور لوگ جوق در جوق داخل سلسلہ ہونے لگے۔

آپ کی نگاہ کرم اور فیضان لامتناہی کی بدولت دربار شاہی کے بڑے بڑے امراء داخل سلسلہ ہوتے جس سے ان کے حلقہ اثر میں انقلاب برپا ہو گیا۔ جب شہنشاہ اکبر کا انتقال ہوا تو جہانگیر تخت نشین ہوا۔ شروع میں تو وہ بھی اکبر کے نقش قدم پر چلا مگر صانع ازلی نے اس کی فطرت میں نور ہدایت کی چنگاری چھپائی ہوئی تھی جو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی ایک نگاہ سے ہی روشن ہو گئی اور وہ جلد ہی عقاید باطلہ سے منحرف ہو کر امام ربانی کے دست حق پرست پر تائب ہو گیا چنانچہ عام احکام باطلہ کو منسوخ کر کے ازسرنو احکام شریعت کا نفاذ کیا گیا۔ اس طرف حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک تو ہندوستان کی حکومت کا رخ پھر اسلام کی طرف پھیر دیا اور دوسری طرف علمائے اسلام کو قرآن حدیث کے مطالعہ کی رغبت دلائی۔ صوفیائے کرام کے نظریات میں ایک انقلاب پیدا فرمایا۔ ان کے نظریۂ وحدت الوجود پر جرح و قدح کی اور انھیں اتباع سنت کی طرف مائل کیا۔

مزید برآں آپ نے سلوک تصوف میں بہت سے ایسے مقامات بیان کئے جو ان سے پہلے کسی نے بیان نہیں کئے تھے۔ اس طرح سلوک تصوف کے حدود کو وسعت دی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہے۔

دراصل اس سلسلۂ نقشبندیہ کا فروغ آپ ہی کے فیض سے ہوا۔

## اوصاف جمیلہ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد جس طرح شریعت مطہرہ اور سنت منورہ کو رواج دینا تھا اسی طرح حضرت خود بھی اس کے مکمل نمونہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اخلاق و عادات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کمال اتباع پر مبنی تھے، صبر و شکر، تواضع، زہد و ورع، تقویٰ، قناعت تسلیم و رضا، اور توکل آپ کی عادات مبارکہ میں داخل تھے۔ جنازوں میں شرکت کرتے، مریضوں کی عیادت فرماتے، نعمتوں پر شکر اور تکالیف میں صبر فرماتے۔ ہر امر میں سنت کو محفوظ رکھتے اور اجتناب بدعت آپ کا مقصود ہوتا تھا۔ مذہب حنفیہ پر عمل فرماتے اور صحابۂ کرام تمام اولیاء سے بہتر جانتے۔

## وصال مبارک

حضرت مجدد الف ثانی نے ۶۳ برس کی عمر میں ۲۸، صفر ۱۰۳۴ھ بروز سہ شنبہ کو بوقت

## اردو زبان کی سب سے پہلی آپ بیتی

ہندوستان میں آپ بیتیوں کا رواج ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد شروع ہوا جس قدر ملک ترقی کرتا گیا اسی قدر زیادہ آپ بیتیاں لکھی جاتی رہیں چنانچہ سب سے پہلے آپ بیتی جو اردو زبان میں لکھی گئی وہ مولانا محمد جعفر کی "کالا پانی" ہے اس میں مولانا جعفر تھانیسری نے اپنی زندگی کے اس دور کا پورا پورا نقشہ کھینچا ہے۔ جو انھیں جلا وطنی میں بسر کرنا پڑا۔ مولانا جعفر تھانیسری بہت بڑے مجاہد تھے انھوں نے وطن اور آزادی کی محبت میں بڑے سے بڑے مصیبت کا سامنا بڑے خندہ پیشانی سے کیا۔ عجیب تربات یہ ہے کہ علماء کے جس گروہ کے بدولت وقتاً فوقتاً ہندوستان میں آزادی کی لہریں پیدا ہوتی رہیں جس کا آخری مظاہرہ ۱۸۵۷ء میں ہوا یہی مجاہد انگریز کے استبداد سے عبور دریائے شور کی سزا پا کر کالے پانی انڈیمان پہنچے تو انھوں نے اس قید و بند کو بڑا معمولی واقعہ تصور کیا۔

(علیم الدین سالک)

اشراق داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرکے عازم خلد بریں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت خواجہ محمد صادق (۲) حضرت خواجہ محمد سعید (۳) حضرت خواجہ محمد معصوم قیوم ثانی (۴) حضرت خواجہ محمد فرخ (۵) حضرت خواجہ محمد عیسیٰ (۶) حضرت خواجہ محمد اشرف۔ صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) بی بی رضیہ بانو (۲) بی بی خدیجہ بانو (۳) بی بی ام کلثوم۔

آپ کا مزار شہاب الدین شاہجہاں نے جو آپ کا معتقد تھا ۱۰۴۴ھ میں تعمیر کرایا۔ جو آج بھی سرہند شریف (بھارت) میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

## تصانیف

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے علوم شریعت اور معارف طریقت پر بہت کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں سے وہ کتب جو مرتبہ شہرت کو پہونچیں تعداد میں ۴۵ بتائی جاتی ہیں۔ اثبات النبوت، ردروافض، شرح رباعیات، تعلیقات عوارف، آداب المریدین، معارف لدنیہ، حالات خواجگان چشتیہ، مکاشفات غیبیہ، رسالہ مبداء و معاد اور رسالہ تہلیلہ وغیرہ خاص طور پر مشہور اور قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا تصنیفات کے علاوہ آپ کے "مکاتیب" کو لازوال اور دائمی شہرت حاصل ہے یوں تو آپ کی جملہ تصانیف اہل طریقت کے لئے بے بہا ہیں مگر مکتوبات شریف کی تینوں جلدیں تو روحانیت و معرفت کی بہتی ہوئی نہریں ہیں جن سے دنیا ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔

## ارشادات عالیہ

یوں تو حضرت مولائی و مرشدی امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہر قول اپنے اندر بے پناہ خصوصیات لئے ہوئے ہے مگر اختصار کے پیش نظر مکتوبات شریف سے چند ارشادات عالیہ برکت اور ثواب کی خاطر نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

(۱) فرمایا۔ اس جہاں میں رویت حق محال ہے اپنے ہر ایک حال کشف و الہام کو کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطابقت پیدا کرنا چاہیئے۔ اگر موافق ہوں، تو قابل عمل اور قابل اعتبار ورنہ نفس اور شیطان کا دھوکہ ہے اس کو چھوڑنا چاہیئے۔

(۲) فرمایا۔ اگر دل حق تعالیٰ کے غیر سے گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے (۳) فرمایا۔ علم و عمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص کا حاصل ہونا طریقہ صوفیہ پر منحصر ہے جو علم و عمل کی روح ہے

(۴) فرمایا۔ تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے (۵) فرمایا۔ فقراء کی خاکروبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے (۶)۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسدی ہوئی اور دیدار آنکھوں سے (۷) فرمایا۔ علمائے سلف پر طعن کرنے والا گمراہ اور بدعتی ہے (۸) فرمایا۔ بزرگوں کے کلام کے معنی خلاف شریعت مراد لینا الحاد و زندقہ ہے (۹) فرمایا۔ دولت مندوں کی صحبت زہر قاتل اور آخرت کی موت ہے (۱۰) فرمایا۔ اولیاء اللہ کی نظر دوا ہے اور کلام شفا اور صحبت سراپا نور۔ (۱۱)۔ فرمایا۔ نقشبندی وہ ہے جو اپنی زبان ہر وقت ذکر خدا سے تر رکھے۔ (۱۲)۔ فرمایا جس شخص کو حرص کی بیماری ہو اس کو چاہیئے کہ قبرستان میں چلا جائے اور مزاروں پر غور کرے۔ (۱۳) فرمایا۔ اولیاء اللہ کے الہام کا سرچشمہ انوار نبوت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی برکات سے ہے۔ (۱۴) فرمایا۔ زکوٰۃ کے طور پر گندم کا ایک دانہ صدقہ میں دینا۔ سونے کے دو پہاڑ خرچ کرنے سے کئی درجہ افضل ہے جو اپنے نفس کے خاطر۔ (۱۵) فرمایا۔ راگ مثلاً ناچ گانا شہد و شکر میں لپٹا ہوا زہر ہے اس کی لذت پر فریفتہ ہونا گویا زہر کھانے کے برابر ہے۔ (۱۶) فرمایا۔ شریعت کا حکم مبتدی، منتہی اور سب کے لئے یکساں برابر ہے (۱۷) فرمایا۔ مردہ اپنے تعلق داروں کی دعاؤں کا منتظر ہے اور اسے اپنے تعلق داروں کے سوا کوئی چیز اچھی اور بہتر نظر نہیں آتی۔

# نعتیں

## جنابِ حسان الہند حضرت بیکل اتساہی

کوئی کیا بتائے گا حالِ مدینہ — یقیناً نہیں ہے مثالِ مدینہ

مہ و مہر و انجم ہیں در کے بھکاری — ہے داتا سبھی کا جمالِ مدینہ

نگاہوں میں کعبہ کے جلوے ہیں لیکن — میرے دل میں ہے خد و خالِ مدینہ

کسی آنکھ میں اتنی جرأت کہاں ہے — جو دیکھے برابر جلالِ مدینہ

خدایا قیامت تلک میرے دل میں — سلامت رہے بس خیالِ مدینہ

ہر اک بدر کامل ہے محتاج جس کا — وہی عید والا ہلالِ مدینہ

یہی ہے تمنائے بیکل خدایا<br>
بنوں میں غلامِ بلالِ مدینہ

## جناب آرزو گیاوی

ہے اس طرح یادِ رخِ گیسوئے محمد — ہر سمت سے آتی ہے مجھے بوئے محمد

لاہوت بھی مہکی ہے اسی جانِ وفا سے — ہر شے پہ ہے چھائی ہوئی خوشبوئے محمد

کافر نہ مسلمان ہو ممکن ہی نہیں ہے — اک بار اگر دیکھ لے یہ روئے محمد

کافی ہے سمجھ لینے کو قرآن مکمل — پڑھ کر ذرا دیکھے تو کوئی روئے محمد

دنیا کی نظر خالق اکبر کی طرف ہے — ہے خالق اکبر کی نظر سوئے محمد

بس عین عبادت وہی سجدے ہیں کہ جن میں — دل سوئے خدا ہو تو نظر سوئے محمد

اب اس میں ارم کو بھی جگہ مل نہیں سکتی — ہے یوں مری آنکھوں میں بسا کوئے محمد

ہیں یہ بھی سمیٹے ہوئے اک وسعتِ عالم — بازوئے خداوند ہیں بازوئے محمد

پیغامِ ظفر سیفِ خدا کو ہے اسی سے — جو تاج میں رکھتے ہیں سدا موئے محمد

اے آرزو الفاظ کوئی لائے کہاں سے<br>
کرنے کو بیاں مرتبۂ خوئے محمد

از جناب عبدالمنان صاحب شاہد

# خلافت راشدہ اور اس کا دستور حکومت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ریاست اسلامیہ کا رئیس عمومی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چنا گیا آپ کے عہد خلافت میں اسلام نے جو شوکت و قوت حاصل کی بعد کے کسی دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کا انتخاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز و تائید اور امت کے اجماع و اتفاق سے عمل میں آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے فاروق اعظم جیسے مدبر اور دلیر شخص کا نام قیادت و امارت کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ فاروق اعظم کو رائے عامہ کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی لوگ ان کی دماغی اور ذہنی صلاحیتوں سے پوری طرح واقف تھے اور کہا کرتے تھے۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں ابوبکر صدیق سے
بڑھ کر کسی کو اہمیت نہیں دیتے
تھے۔ اور ان کے بعد حضرت
عمر کو یہ حیثیت حاصل تھی۔"

یہ صحابہ کا عام رجحان تھا چنانچہ وہ بلا کسی حیل و حجت کے اتفاق رائے سے امیر منتخب ہوئے۔ حضرت عمر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے صحابہ نے خود بخود اسلام قبول کیا۔ اور آپ کا اسلام لانا پیغمبر اسلام کی آرزوؤں میں سے بجائے خود ایک آرزو تھا۔

دماغ میں زمانہ جاہلیت ہی سے نہایت سختی تھی۔ اسلام لانے کے بعد یہ سختی اسلام کے اصول و مقاصد کی ترویج و اشاعت میں صرف ہونے لگی۔ جس سے اسلام کو زیادہ سے زیادہ قوت حاصل ہوئی۔ فراست ایمانی کا یہ عالم تھا کہ کئی مرتبہ آپ کے قیمتی مشوروں کی تائید وحی آسمانی نے کی۔

فاروق اعظم کو حکومت کے نظم و نسق کے تمام مسائل کا وسیع تجربہ تھا۔ آپ عہد نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے وزیر تھے۔ عہد صدیق میں محکمہ قضاۃ کے امیر اور حکومت کے انتظامی معاملات میں مشیر اعلیٰ کا درجہ رکھتے تھے۔ دو جلیل القدر بزرگوں کی صحبت نے ان کے مزاج میں حکومتی فرائض کو صحیح نہج پر چلانے کی پوری استعداد پیدا کر دی تھی۔ امن و جنگ ہر موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اس لئے ہر مسئلہ سے انھیں پوری واقفیت تھی۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اُن کے عہد میں اسلامی حکومت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب کہا تھا کہ "عمر کا اسلام ایک فتح ان کی ہجرت ایک امداد اور حکومت ایک رحمت تھی جب تک حضرت عمر اسلام نہ لائے تھے۔ ہم کھلے بندوں نماز تک ادا نہ کر سکتے تھے۔" سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تھا کہ میرے بعد ابوبکر کی پیروی کی جائے اور ابوبکر کے بعد عمر کی۔ آپ کے نظام حکومت کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) آپ نے اسلامی طرز حکومت میں عمومیت (ڈیموکریسی) کو داخل کیا۔ عوام کی خدمت اور ان کے تمام مسائل حیات کی نگہداشت کو حکومت کے قیام کا اولین مقصد قرار دیا۔ اور

اور حدود سلطنت میں بسنے والے ہر فرد کو بلا تفریق مسلم و غیر مسلم حقوق شہریت سے نوازا اسلامی سلطنت کے دائرہ میں زندگی

گذارنے والے تمام افراد کو ایک مرکز سے ملحق کر دیا۔ اور ان میں اجتماعیت کی خوبی پیدا کرنے کے لئے قوانین بنائے۔ سلطنت کی حدود روم، ایران، روس اور مصر تک وسیع کر دیں (۴) مذہبی قائد ہونے کی حیثیت سے دنیا میں اسلامی نظام حیات کی نشر و اشاعت کی اور اسلامی نظام قائم کیا۔ نئے شہر آباد کئے۔ ٹیکس لگائے۔ اور ان کی قسمیں مقرر کیں۔ (۵) حکومت کی دفتری کاروائی کو باضابطہ بنایا۔ فوجوں کی تنظیم جدید کی اور فوجوں کی سہولت و آرام کے لئے اور ان کی دیگر ضروریاتِ زندگی کے لئے قانون نافذ کئے۔

فاروق اعظم گورنروں کا تقرر فرمان خاص سے کرتے اور ہر گورنر کو حسب ذیل ہدایات فرماتے۔ (۱) رشوت نہ لیں (۲) خدا کی رعایا پر ظلم نہ کریں۔ (۳) عیش و عشرت کے سامان میں نہ پڑیں۔ (۴) اپنے دفتر (سکریٹریٹ) کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے کھلا رکھیں۔ اور کتاب و سُنّت پر چلیں۔ ان احکام میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی پر بلا تامل گورنر سے جواب طلب کرتے۔ اور الزام کے پایہ ثبوت تک پہنچ جانے کی صورت میں اسے فوراً معزول کر دیتے۔ کوفہ کے گورنر کو عام شکایت کی بنا پر معزول کر دیا۔ بصرہ کے گورنر سے کسی الزام پر جواب طلبی فرمائی۔

کسی مسلمان کو تادم مرگ آپ سے کسی قسم کی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ تمام رعایا آپ سے خوش تھی، اسلام کی ترقی زوروں پر تھی۔ آپ نے دس سال چھ ماہ تک نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ آپ کے عہدِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ ایران، آذربائیجان، دمشق، انطاکیہ، اور اسکندریہ تک وسیع ہو گیا۔ عدن سے انطاکیہ اور بحرین سے کاکیشیا تک اسلامی حکومت قائم ہو گئی

اخیر ذی الحج ۲۳ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں ابولولوء فیروز مجوسی کے قاتلانہ حملہ سے وفات پائی۔

---

## سُنّی تبلیغی جماعت مکرانہ کے معاون کا ایک خط

محترم المقام حضرت مولانا النظامی صاحب زید مجدکم!

السّلام علیکم۔ خیریت سے ہوں امید کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔ سنی تبلیغی جماعت قائم کر کے آپ نے امت مرحومہ پہ ایک عظیم احسان کیا اور مسلمانوں کو بیدار کر دیا ورنہ سنی مسلمان ہر طرح سے مفلوج ہو گئے تھے اور ایمان کے ڈاکو آسانی سے ایمان چھین لیتے تھے مگر سنی تبلیغی جماعت نے پورے تبلیغی جماعت میں کھلبلی پیدا کر دیا اور اس کا پچاس ۵۰ سال کا منصوبہ برباد و غارت ہو گیا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے یہاں پر سنی تبلیغی جماعت کا کام بڑے اچھے پیمانے پر ہو رہا ہے اور بہت جلد قصبہ پر قابو پالیا آپ دعا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ اس جماعت کو کامیاب بنائے آپ کا بتایا ہوا وظیفہ روزانہ پڑھتا ہوں اور حضور بھی ہمارے لئے دعا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں کامیاب بنائے آمین۔

بحرین سے کام ملنے والا تھا مگر ابھی تک نہیں ملا ہے لہٰذا حضور کوئی ایسی تعویذ بھیجدیں کہ آسانی کے ساتھ ہمارا کام ہو جائے آج ہی حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں خط لکھ رہا ہوں اگر آپ بریلی شریف جائیں تو ہمارے لئے مفتی اعظم صاحب سے دعا کرائیں اور کیا لکھوں آپ اپنی خیریت سے آگاہ کریں۔ مولانا محمد فضیل صاحب سلام و قدمبوسی عرض کر رہے ہیں۔

فقط والسلام

محمد علی حجاج مکرانہ: ناگور

---

## حاجی رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں ہدیہ امتنان و تشکر

جناب حاجی رحمت اللہ صاحب ایک دیندار متصلب سنی ہیں سُنّی تبلیغی جماعت کے ساتھ جو ان کا مخلصانہ ایثار ہے ارکان سنی تبلیغی جماعت موصوف کی اس رضاکارانہ خدمت پر ہدیہ امتنان و تشکر پیش کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے پر امید ہیں کہ وہ اسی طرح اپنی خدمت پیش کرتے رہیں گے۔

ارکان سنی تبلیغی جماعت

حضرت علامہ شفیق احمد صاحب شریفی مفتی دار العلوم غریب نواز

# باب الاستفتاء



سوال۔ میلاد شریف کی محفل میں جس طرح اس زمانہ میں کھڑے ہو کر سلام پڑھا جا رہا ہے اس طرح صحابہ کرام اور امام ابو حنیفہ نے کھڑے ہو کر سلام پڑھا ہے یا نہیں۔ اگر پڑھا ہے تو یہ مسئلہ فقہ حنفی کی کس کتاب میں درج ہے۔

جواب۔ سلام پڑھنا مطلقا جائز ہے قرآن عظیم سے ثابت ہے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے صلوا علیہ وسلموا تسلیما نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اس آیت میں پروردگار عالم نے بے قید اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور جو حکم قرآن و حدیث سے بے قید ثابت ہوتا ہے اس میں قید لگانا اس کے اطلاق کو ختم کرنا ہے اور قرآن کے اطلاق کو خبر واحد یا قیاس سے بھی ختم کرنا جائز نہیں ہوا کہ بے دلیل اپنے اندھے پن کی وجہ سے کھڑے ہو کر سلام پڑھنا بھی اسی مطلق سلام میں داخل ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہو تو اس کو صحابہ کرام نے کیا بھی ہو۔ بہت سی چیزیں جائز و مستحسن بلکہ واجب ایسی ہیں جو صحابہ کرام کے زمانہ میں نہیں ہوئیں جب سلام نص قرآنی سے ثابت ہے تو یہ کہنا کہ ابو حنیفہ نے کھڑے ہو کر سلام پڑھا یا نہیں محض جہالت ہے امام کے قول یا فتویٰ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں حکم نص سے ثابت نہ ہو۔ یہ حکم تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا اسی مطلق حکم میں داخل ہے۔ سلام بیٹھ کر پڑھنا لیٹ کر پڑھنا ہر اس صورت میں جائز ہے جس میں بے ادبی نہ ہو۔ کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں چونکہ زیادہ ادب ہے اس لئے علمائے اہلسنت و جماعت نے مستحسن فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم تو بہت اعلیٰ ہے والدین کے حق میں بچے کے لئے یہ حکم شرع ہے کہ اگر تلاوت قرآن کے درمیان والدین میں سے کوئی آ جائے تو بیٹے کے لئے حکم ہے کہ تلاوت قرآن بند کر کے کھڑا ہو کر انہیں سلام کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا کیا کہنا ان پر تو والدین اور ہماری جانیں قربان ہوں تو کم ہے۔ ان کے لئے کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں بکواس کرنے والا بدمذہب ہے کسی بدمذہب کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے اگر اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل چاہئے تو مجدد دین و ملت سیدنا الامام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مطالعہ فرمائیں واللہ تعالیٰ اعلم

سوال۔ جس طرح اس زمانہ میں بزرگوں کے مزار پر عرس چادر گاگر قوالی کے ساتھ ڈھولک بجا بجا رہا ہے اسی طرح صحابہ کرام اور امام ابو حنیفہ کے مزاروں پر کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے یا نہیں اگر کیا جاتا ہے تو یہ فقہ حنفی کی کس کتاب میں درج ہے

جواب۔ عرس بزرگان دین نام ہے قرآن خوانی نعت خوانی ایصال ثواب وعظ کا اور یہ سب چیزیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اب رہا باجا گاجا کے ساتھ قوالی اور دوسری خرافات جنہیں آج کل کے جہال نے نکال رکھا ہے یہ سب ہر جگہ ناجائز ہے۔ اور مزارات مقدسہ کے پاس اور بھی ناجائز ہے اور قبور اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والرضوان پر چادر

بقصد تبریک ڈالنا مستحسن ہے۔ قال اللہ تعالی ذالک ادنی یعرفن فلا یوذین۔ امام عارف باللہ علامہ سید عبدالغنی نابلسی نے "کشف النور عن اصحاب القبور" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں اسے نقل کیا اور مقرر رکھا۔ واللہ اعلم۔

سوال۔ ہمارے یہاں جس طرح فاتحہ کا رواج ہے کہ سامنے رکھ کر اور فاتحہ خواں قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھ کر کھانے کا ثواب اور پڑھنے کا ثواب مردوں کو اور بزرگوں کی روحوں کو بخش دیتا ہے۔ اس طرح کی فاتحہ صحابہ کرام اور امام ابوحنیفہ نے کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو فقہ حنفی کی کس کتاب میں ہے۔

جواب۔ فاتحہ دلانا شریعت میں جائز اور باعث ثواب ہے درمختار میں ہے۔ الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما لہ جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسہ لظاهر الادلۃ۔ ردالمحتار میں ہے۔ سواء کانت صلوٰۃ اوصوماً او صدقۃ او قراءۃ فاتحہ مروجہ میں قرآن پڑھا جاتا ہے کھانے پینے کی چیزیں سامنے رکھی جاتی ہیں۔ قرآن پڑھ کر ان سب چیزوں کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے ایصال ثواب کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا جاتا ہے یہ سب چیزیں حدیث شریف سے ثابت ہیں زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی کتاب الحجۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحہ مطالعہ فرمائیں۔ یہاں بھی صحابہ کرام و امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قید کی تقیید بے جا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال۔ مروجہ رسومات یعنی قیام و فاتحہ وغیرہ کی ابتدا کب سے ہوئی اور آیا جن حضرات نے اسے جاری کیا ان کا کیا مقام ہے کیا وہ امام و مجتہد تھے اور یہ فرمائے کہ امام و صاحب حجت و مجتہد کی کیا تعریف ہے مع دلائل وحوالہ کتب معتبرہ پیش فرمائیں۔

جواب۔ ازل سے کیونکہ کلام اللہ ازلی ہے اس کی ہر آیت ازلی ہے انھیں میں وجعل لکم ما فی الارض جمیعاً بھی ہے یہ سب چیزیں اس آیت سے ثابت ہیں کیونکہ ان کے ممنوع ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ملتی واللہ تعالی اعلم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ۱۹۶۶ء میں بعوض ایک ہزار روپیہ اور دو اشرفی ہوا زید نے خانگی اختلافات کی وجہ سے اپنی بیوی کو ۱۹۶۷ء میں طلاق دے دیا۔ اور ادائگی مہر کے بارے میں دونوں فریق میں اختلاف ہوا آخر کار برادری کے پنچایت نے دونوں میں مصالحت کرادی دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا اشرفی کی قیمت اتنی ہی دی جائے گی۔ جتنی ۱۹۶۶ء میں تھی یا ۱۹۶۷ء کی قیمت دی جائے گی۔

جواب۔ مہر میں جو کچھ متعین ہو جائے اس کا ادا کرنا واجب اور اگر قیمت ادا کرنا چاہیں تو جس دن طلاق دی گئی اس دن بازار میں اشرفی کی جو قیمت رہی ہوگی اسی کا اعتبار رہے ردالمحتار میں ہے ص ۳۳۰ تعتبر قیمۃ یوم الطلاق۔ واللہ اعلم۔

سوال۔ زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہوا بات ہوتے ہوتے بڑھ گئی دونوں غصہ میں بات کرنے لگے زید نے غصہ کی حالت میں طیش کھا کر کہا ہم نے تم کو طلاق دیا۔ دیا۔ دیا۔ ایسی حالت میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کچھ دیر بعد دونوں مل جل گئے۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب حلالہ کئے بغیر یہ عورت جائز نہ ہوگی درمختار ص ۵۵۲ میں ہے وان فرق بوصف او خبر او جمع الموطوءۃ یقع الکل وبحرم۔ التفریق۔ طلاق مغلظہ کے بعد دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا قطعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے دونوں پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں حلالہ ہو جانے کے بعد نکاح کرلیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ روح پرور اور ہنگامہ آفریں دنیا جس کے مشاغل کی تمنا کبھی ختم نہیں ہوتی اور جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہوس پرست انسان کے لئے کونین کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے اگر بنظر غائر دیکھئے تو ایک تاریخی نگار خانے تھیٹریکل ڈرامے سے بھی زیادہ پائدار ہے لیکن آہ۔۔۔۔۔۔ کس درجہ غم ناک ہے یہ حقیقت کہ اسی تفریحی نگار خانے کی رعنائیوں اور دلفریبیوں میں گرفتار ہو کر انسان اپنی اصلی منزل مقصود کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنے اعمال و فرائض کی ذمہ داریوں سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے پھر بھی اس تھیٹریکل ڈرامے کا ایک آخری نظارہ جب کہ روح و جسم کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ ہر عبرت پسند کے لئے نہایت حسرت آفریں اور عبرت انگیز ہوتا ہے۔ یہ وہ نازک لمحے ہوتے ہیں جب کہ گنہگار سے گنہگار انسان بھی اپنی درماندگی اور بے کسی کا صحیح طور پر احساس کر لیتا ہے اور اس موقعہ پر وہی بات زبان سے نکالتا ہے جو اس کے علم و یقین میں بالکل سچ ہوتی ہے۔

## حضرت فاروق اعظم کا آخری بیان

مورخ ابن عاصم تذکرۃ العباد میں لکھتا ہے: فاروق اعظم جن کے جلال و جبروت اور جن کے تفکر و تدبر کی داستانیں آج اقوام عالم کو سراپا حیرت بنائے ہوئے ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی ذمہ داریوں کے احساس کی بنا پر اشکبار اور بے قرار تھے۔ عبداللہ ابن عمر حاضر ہوئے عرض کیا۔ بادا جان مہاجرین و انصار میرے بارے میں خلافت کے متعلق کچھ تذکرہ کر رہے ہیں میں اس ذمہ داری کو قبول نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کچھ نصیحت کیجئے۔

سیدنا فاروق اعظم نے انگشت شہادت سے آنسو پونچھے اور فرمایا۔ بیٹا ہرگز اس ذمہ داری کو قبول نہ کرنا یہ بظاہر پھولوں کا بستر ہے۔ لیکن در حقیقت کانٹوں سے بھرا ہوا صحرا ہے۔ بس خاندان میں ایک ہی شخص ایسا کافی ہے جسے احکم الحاکمین کے اجلاس میں ہزاروں آدمیوں کے حقوق کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔ عبداللہ میں بظاہر امیر المومنین اور عظیم المنزلت فرماں روا تھا۔ لیکن میری ایک شب بھی ایسی نہیں گزری جب میں دن بھر کے کاموں پر تبصرہ نہ کیا ہو اور اپنی ایک ایک لغزش پر چار چار گھنٹے تک آنسو نہ بہائے ہوں۔

ابن عمر تم جانتے ہو لاکھوں روپئے بطور امانت میرے پاس

### جنھوں نے اردو کو سب سے پہلے اپنی سلطنت کی سرکاری زبان قرار دیا

میر محبوب علی خاں آصف ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ انھیں ۱۸۸۴ء میں، مکمل اختیارات کے ساتھ قلمرو آصفی کا حضور نظام تسلیم کر لیا گیا۔ حیدرآباد میں سرکاری زبان انھیں کے دور ۱۸۸۴ء میں فارسی سے اردو کر دی گئی۔

اردو کے بہترین شاعر تھے لیکن فارسی، عربی اور انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ فرہنگ آصفیہ انھیں کی سرپرستی کا نتیجہ تھا۔ مولوی سید بلگرامی سے تمدن عرب اور تاریخ دکن وغیرہ جیسی کتابیں محبوب علی آصف نے لکھوائی، مولوی عبدالحق مصنف تفسیر حقانی، قدر بلگرامی، مولانا شبلی، الطاف حسین حالی، پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولانا عبدالحلیم شرر جیسے ان گنت ارباب علم نے ان کی سرپرستی میں ساری زندگی کسب معاش سے بے نیاز ہو کر آرام سے گذار دی۔

تھے۔ لیکن ایک درہم بھی ہم نے اپنی ذات پر یا اپنے متعلقین کی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ میں چھ گھنٹہ روزانہ کپڑے کا کاروبار کرتا تھا۔ اور اس کے نفع سے اپنی ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس طرح فرض امارت ادا کر سکتے ہو اگر نہیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی حکومت کا خیال دل میں نہ لانا۔ خدا تمھارا حافظ و ناصر ہے۔

## حضرت ابو عبیدہ کی آخری تقریر

شام، عراق، فلسطین اور ایران کے عظیم الشان فاتح حضرت ابو عبیدہ جن کے ایثار اور اخلاص اور جن کے عزم و استقلال کی نظیر تلاش سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ۱۱ر شعبان ۱۸ھ کو جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹے سے فرمایا:۔ عامر میری کامیابی کا راز صرف یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنی ہستی مرتبۂ انسانی سے بالاتر نہیں سمجھا۔ اور میں ایسا کیوں سمجھتا۔ جبکہ میں اس حقیقت سے واقف تھا۔ کہ میری ایک قوت بھی فنا سے محفوظ نہیں۔ اگر میں اپنی دماغی قابلیت پر غرور کرتا تو اس سے بڑھ کر اور کون سا جرم ہو سکتا تھا۔ کیونکہ میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ ایک معمولی مرض کا حملہ میرے تدبر و تفکر کا خاتمہ کر سکتا ہے میری قوت گویائی اور میری جرأت و ہمت ایک ایسی نعمت تھی جو چند لمحوں میں مجھ سے واپس لی جا سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ خود میری حیات فانی جس کی ہنگامہ آفریں مصروفیت نے مجھے [illegible]ان شہرت پر پہنچایا وہ بھی زوال اور فنا سے محفوظ نہ تھی۔ میں ہمیشہ عالم بیداری میں موت کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا تھا اور سوتے وقت اپنے سرہانے رکھ کر سویا کرتا تھا۔ پس غرور تصنع اور [illegible]انیت نے میری محسوسات پر اقتدار حاصل نہیں کیا یہ سچ ہے [illegible] نے دوسروں کی اصلاح کے لئے بہت کم کوشش کی لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ میں اپنی اصلاح میں حد درجہ تک کامیاب ہو گیا۔ عامر تم میری اس آخری ہدایت کو سامنے رکھو گے تو میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ تم اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکو گے۔

## صلاح الدّین ایّوبی کی آخری وصیّت

رفیع بن اسلم دربار ایوبی کا مشہور مؤرخ اپنی گرانقدر تصنیف میزان الادیان میں لکھتا ہے:

فاتح بیت المقدس حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی جن کے فاتحانہ کارناموں سے عالم کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ جب آغوش رحمت میں جانے والے تھے تو انھوں نے اپنے دوست سے فرمایا۔

اپنے کسی دردمند غریب دوست کو حقیر نگاہوں سے نہ دیکھو اور اس کی ناداری کی بنا پر اسے ذلیل نہ سمجھو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں تمھارے لئے ایک ایسا جذبۂ اخلاص ہو اور درد ہو جو کسی قیمت پر بھی بازار کائنات میں نہ مل سکتا ہو۔ کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ غریب اور نادار کے پہلو میں بھی ایک ایسا دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش ہوتا ہے اور بُرے سلوک سے غمگین ہوتا ہے سنو میری زندگی کا اولین مسلک یہ تھا کہ میں [illegible] سپاہیوں کو اپنے بھائیوں سے زیادہ چاہتا تھا۔ اور [illegible] درد میں شریک ہوتا تھا۔ ایک مسیحی حاکم نے ایک مرتبہ میری دعوت کی تو میں نے پہلا مطالبہ یہ کیا کہ جو کھانا میرے لئے تیار کیا جائے وہی میرے سپاہیوں کے لئے ہو اس طرز عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ میرے رفقائے کار میرے ہمدرد غم گسار تھے۔ اور دنیا کی کوئی قوت ان کو مجھ سے برگشتہ نہ کر سکی۔

### اردو کی سب سے پہلی غزل

اردو کی سب سے پہلی غزل بقول علامہ کیفی پنڈت چندر بھان برہمن شاہجہاں کے عہد کے ایک ہندو شاعر نے لکھی تھی
(ڈاکٹر گوپی چند نارنگ)

## ملکہ زبیدہ کے آخری کلمات

ام البرکات خدیجہ ہمشیرہ خلیفہ ہارون الرشید بیان فرماتی ہیں۔

میری محترمہ بھاوج حضرت ملکہ زبیدہ جس طرح ظاہری حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھیں اسی طرح باطنی محاسن میں بھی بے مثل تھیں۔ ان کی ذہانت سنجیدگی ایثار پسندی اور غریب نوازی عباسی خواتین کے لئے ایک نمونہ تھی۔ مجھے ان سے قلبی محبت تھی۔ اور اسی جذبۂ اخلاص کی بنیاد پر میں زندگی کے آخری لمحہ تک ان کے ساتھ رہی اور عالم نزع شروع ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور رقت آمیز انداز میں کہا۔:

خدیجہ تم جانتی ہو کہ دوست اور دشمن کیوں میری تعریف

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

## "سیلاب احتیاط"

امسال محرالحرام کے موقع پر تاجدار آفس بمبئی میں خطیب مشرق مولانا نظامی صاحب، قائد ملت مولانا اسرار الحق صاحب شاہجہاں پوری مجاہد دوراں مولانا ... حسین صاحب کچھوچھوی وغیرہم حضرات علماء کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے کے ماحول میں سنجیدگی و غیر سنجیدگی کے مابین توازن بہر حال قائم تھا۔ اتنے میں حضرت شاد فیض آبادی تشریف لائے۔ موصوف انتہائی وضعدار بزرگ اور ایک اچھے شاعر ہیں۔ ادارۂ تاجدار کی فرمائش پر بہت سی عمدہ نعتیں اور اچھی غزلیں سناڈالیں اور آخر میں ایک غزل اس اعلان کے ساتھ پڑھنے لگے کہ "جدیدیت سے متاثر ہو کر کہی ہے" —— جدیدیت یا جدید شاعری کی بے اعتدالیاں اہل ذوق کے مطالعے سے مخفی نہ ہوں گے۔ شاد صاحب نے اپنی اس نئی غزل کا ایک مصرعہ پڑھا جس میں دو متضاد الفاظ سے ایک نئی ترکیب ایجاد کی گئی تھی۔ "سیلاب احتیاط" —— میں نے مصرعہ کو اٹھاتے ہوئے "سیلاب احتیاط" پر اپنے مخصوص انداز میں زور دیا۔ لیکن حاضرین اس نئی ترکیب پر فقط ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

اور شاد صاحب داد طلب انداز میں تمام حاضرین کو دیکھتے ہوئے بار بار مصرعہ دہرا رہے تھے۔ اس پر نظامی صاحب نے فرمایا شاد صاحب ... کے سلسلے میں ہم سب کے نمائندہ مولانا اسلم بستوی ہیں۔ ہم لوگ تو فی الحال آپ کے "سیلاب احتیاط" میں بہہ رہے ہیں۔

## "غزل کا ڈنڈا"

کسی زمانے میں روایتی شاعری کے اندر علامتوں کا استعمال بڑی خوب صورتی سے برتا جاتا تھا۔ اور حق تو یہ ہے کہ اپنی علامتوں کی بنیاد پر اشعار اپنے ہمہ گیر و ہمہ جہت مفاہیم کے ترجمان ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج جدید شاعری جہاں فکری و فنی آزادی کی علمبردار ہے۔ وہیں اپنی عملی بے راہ روی کی بھی شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جدیدیت جا و بیجا علامتوں کے استعمال کی خود علامت بن کر رہ گئی ہے۔ اور علامتوں کے استعمال کے سلسلے میں انتہائی مضحکہ خیز الفاظ کا انتخاب بھی آج جدیدیت کا فیشن بنتا جا رہا ہے۔ خواہ وہ قاری کے مذاق سلیم پر تیشہ ہی بن کیوں نہ گرے۔ لیکن جدید شاعر کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس طرح کی ایک مضحکہ خیز کوشش ایک جدید شاعر نے افضل نے اپنی غزل کے مندرجہ ذیل شعر میں کی ہے۔

سورج کو چونچ میں لئے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے رات ہو گئی

یہی شعر پاکستان کی کسی مجلس میں بطور تضحیک پیش کیا گیا اس پر مدیر خاران نے کہا۔

حضرات، تھوڑی سی ترمیم کے بعد یہ شعر جدید غزل کا مقطع بھی بن سکتا ہے ملاحظہ ہو۔

سورج کو چونچ میں لئے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ گئے ڈنڈا اُتار یا

## "خطاب جسامت"

بمبئی کے بیشتر محلے محرم الحرام کی مجالس منعقد کیا کرتے ہیں جس میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی دعوت پر ہندوستان کے گوشے گوشے سے علماء کرام تشریف لاتے ہیں۔ لیکن یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ علماء کے برعکس ہیں کچھ جہلا بھی اپنے آپ کو علامہ و مولانا مشتہر کر کے کچھ مجالس پر قبضہ کر کے من مانی وعظ فرماتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مولوی عمار روایتی مقرر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ جو اتفاق سے کافی لحیم و شحیم واقع ہوئے تھے۔ جب ہنستے تھے تو ان کے پورے بدن کے ارتعاش سے کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے زلزلہ آگیا ہو۔۔۔ موصوف کے دفتر سے باہر جانے کے بعد میں نے قائد ملت مولانا اسرار الحق صاحب شاہجہانپوری سے پوچھا۔۔۔ "جناب کی تعریف؟" ارشاد فرمایا۔ "گینڈۃ المقررین"۔

---

اسلام میں عورت کا مقام صفحہ ۴۰ سے آگے

اس آیت مبارکہ میں عورت کو چار حیثیتوں سے عالم انسانیت کا ایک اہم جز قرار دیا۔

(۱) عورت بنی نوع انسانی کا ایک حصہ ہے۔

(۲) عورت کی پیدائش خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

(۳) عورت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ مرد اس سے تسکین قلب حاصل کرے۔

(۴) عورت اور مرد کے درمیان باہمی محبت اور حسن سلوک کا ناقابل شکست رشتہ ودیعت کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ قرآن کا عورتوں کے بارے میں یہ ارشاد کتنا معنی خیز ہے۔ اللہ نے دنیوی زندگی میں انسانوں کے لئے جو آرائش و آسائش کا سامان پیدا کیا ہے کون ہے جو اسے حرام قرار دے (قرآن) اسلام کے رو سے جب عورت کے وجود کا بنیادی مقصد ہی مرد کی تسکین ہے۔ تو اس سے عورت کی اہمیت خود بخود بڑھ جاتی ہے جہاں تک شرائط معاہدہ کا تعلق ہے، عورت اور مرد دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو بعض حقوق اور ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں جیسے کما حقہ، ادا کئے بغیر مرد و عورت بری الذمہ قرار نہیں پا سکتے۔ قرآن کہتا ہے عورت کی جتنی ذمہ داریاں ہیں۔ اتنی حقوق بھی ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یوں تشریح فرمائی ہے۔

تمہارے بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ اسی طرح ان کے حقوق تم پر ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھ میں خدا کی امانت ہے دیکھو ان سے مہربانی کا سلوک کرو۔ اسلام نے عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس کہہ کر دونوں کو ایک بلند مقام عطا کرتا ہے۔ نیز نسل انسانی کی بقا اور تمدن کی تعمیر میں دونوں کا اشتراک و تعاون ناگزیر قرار دیتا ہے۔

### دائرہ عمل

اسلامی معاشرت میں عورت اور مرد دونوں کے دائرہ عمل الگ الگ ہیں عورت کا صحیح مقام اس کا گھر قرار دیا گیا اور بیرون خانہ کی ساری ذمہ داریوں کا انچارج مرد کو قرار دیا گیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے "اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو زمانہ جاہلیت کی بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو" (قرآن)

تاکہ عورت اور مرد اپنے فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔ اور ایک دوسرے کے عمل میں دخیل کار ہو کر نظام معاشرت کو درہم برہم نہ کر سکیں۔ دراصل یہ قدرتی تقسیم ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اسلامی معاشرتی نظام دو شعبوں میں منقسم ہے داخلہ اور خارجہ۔ داخلہ میں گھر کا انتظام بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھر کے بڑے چھوٹوں کی خدمت شامل ہے جس کی انچارج صرف عورت ہے۔ اور خارجہ میں محنت اور اکتساب رزق وغیرہ شامل ہے جس کا ذمہ دار صرف مرد ہے۔ غرض کہ ایک صالح تمدن و معاشرت کے لئے یہ ضروری اجزاء ہیں جن میں سے کسی کو بھی کسی بھی صورت میں جدا نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز (رحمۃ اللہ علیہ) اسی یا اکیاسی برس کی عمر میں ۸۰۳ھ ہجری میں گل برگہ شریف تشریف لائے اور کم و بیش ۲۵ برس تک سرزمین گل برگہ کو اپنے قدوم بابرکت سے رونق بخش کر ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ کو اس عالم فانی سے رحلت فرمائی آپ کی حیات طیبہ کا یہ آخری زمانہ آپ کے فیضان کا وہ عہد ہے۔ جب کہ آپ عبادت و ریاضت، سلوک معرفت کے اعلیٰ ترین منزلیں طے فرما کر قطبیت و غوثیت کے درجۂ کمال پر فائز تھے۔ نہ صرف دکن بلکہ سارا ہندوستان آپ کی روحانی عظمت اور باطنی فیض سے مستفیض ہو رہا تھا اور دور دور سے طالبان حق آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کے لئے والہانہ طور پر چلے آ رہے تھے۔ سرزمین گل برگہ اپنی خوش بختی پر جس قدر ناز کرے بجا ہے کہ دہلی کا یہ آفتاب معرفت اور خاندان چشتیہ چشتیہ کا پیر کامل اور حضرت روشن چراغ دہلوی کا جانشین خاص اس کی گود میں آسودہ ہے اور آج اسی آفتاب معرفت سے فیضان حاصل کرنے کے لئے نہ صرف برصغیر ہند بلکہ اقصائے عالم سے عقیدت مند گل برگہ کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ آپ کی درگاہ فلک مرتبت بلاشبہ کعبہ دکن ہے جس کی زیارت ہر اہل دل کی تمنا اور مقصد ہے اور جیسا کہ اورنگ زیب سے منسوب اس شعر میں کہا گیا ہے کہ آپ کا فیضان اور سلسلہ بندہ نواز، رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز
بادشاہ دین و دُنیا تا ابد بندہ نواز

سلسلہ پیران چشتیہ اپنے جانشینوں کی تعلیم و تربیت میں جو اہتمام فرماتے رہے ہیں، وہ ایک خاص خصوصیت اس سلسلہ کی ہے۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، اور قطب الاقطاب نے حضرت شیخ فرید شکر گنج (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی اور حضرت محبوب الٰہی سے حضرت چراغ دہلی نے پیر نصیر الدین علیہ الرحمہ کی تربیت جن اصولوں پر فرمائی تھی۔ ان ہی اصولوں پر حضرت شیخ المشائخ، شیخ الاسلام پیر نصیر الدین نے حضرت خواجہ بندہ نواز (رحمۃ اللہ علیہ) کی تربیت فرمائی آپ کو بہت ہی کم عمری سے اپنے پیر و مرشد سے نادیدہ عقیدت تھی۔ آپ بچپن ہی سے نماز روزے کے بہت پابند تھے۔ سات برس کی عمر ہی میں قرآن شریف ختم کر لیا تھا جب گیارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کے انتقال کے بعد والدہ محترمہ کے ساتھ دولت آباد سے نکل کر دہلی آ گئے اور یہاں پہنچ کر سولہ برس کی عمر تک مسلسل تحصیل علم عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے۔

۱۶ رجب [illegible]ھ بروز جمعہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد

### اردو کی پہلی تصنیف

اردو کی پہلی تصنیف کا سہرا حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے "خالق باری"، اس کا ایک زندہ نمونہ ہے۔ حالانکہ اس کے بعض شعر ٹھیٹھ ہندی میں بھی ہیں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ دہلوی اردو کے سب سے پہلے شاعر اور ادیب بھی ہیں انھوں نے ہی سب سے پہلے اردو الفاظ اشعار میں استعمال کئے۔ اردو کی سب سے پہلی غزل بھی انھیں کی ہے ان کے زمانے میں اردو میں پختگی نہیں آئی تھی لیکن روانی ضرور پیدا ہو گئی تھی

سلطان قطب الدین میں گئے تو پیر و مرشد کا ظاہری دیدار کامل حاصل ہوا آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیخ الاسلام حضرت پیر نصیر الدین علیہ الرحمہ مسجد میں تشریف لائے جیسے ہی خواجہ کی نظر آپ کے جمال مبارک پر پڑی فوراً آپ گرویدہ ہوگئے اور دل میں کہا اگر یہی پیر نصیر الدین ہیں تو زہے نصیب۔ لوگوں سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ وہی ہستی مبارک تو ہیں جن کے دیدار کے لئے تمنا عرصے سے دبی ہوئی تھی۔ تو پھر اسی روز آپ نے حضرت شیخ الاسلام کی ہاتھ پر بیعت کی اور اسی روز سے مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و مراقبہ کی تعلیم باطنی شروع ہوگئی۔ چند ہی دنوں میں آپ کی طبیعت کے جوہر چمکے اور پیر و مرشد نے اپنے ایک مرید مولانا علاء الدین کو آپ کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا، انھیں اپنی صحبت میں رکھو اور جو کچھ ہم تم کو تلقین کی ہے ان میں سے ان کو بھی حصہ دو، کچھ عرصے کے بعد حضرت خواجہ حظیرۂ شیر خاں کے ایک حجرہ میں خلوت گزیں ہو کر مسلسل ریاضت کرتے رہے۔ وہیں سے روزانہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علوم ظاہری کی تعلیم کے لئے بھی جایا کرتے۔ ایک دفعہ آپ نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علوم ظاہری کی تعلیم ختم کرکے ہمہ تن علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤں اس پر پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا نہیں۔ ابھی ہدایہ، بزدوی، شمسیہ، کشاف اور مفتاح ان سب کتابوں کو ٹھکانے سے پڑھ لو۔ تم سے بہت کام لینے ہیں، حسب ارشاد آپ نے ان تمام کتابوں کی تعلیم پائی اور جب علوم ظاہری کو درجۂ کمال تک حاصل کر لیا تو مرشد کے حسب الحکم پوری توجہ سے مجاہدہ و ریاضت شروع کی۔ سطے کے روزے رکھے ذکر اور مراقبے میں جہد بلیغ کی۔ بہت جلد آپ کشف تجلیات الہی کی منزل پر فائز ہوگئے۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر خود پیر و مرشد فرمانے لگے کہ ۲۰ برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی اور پچھلے زمانے کے واقعات یاد دلا دیئے۔ یعنی حضرت پیر و مرشد کو اپنا زمانہ کسب ریاضت یاد آگیا۔ اس زمانے میں ایک روز خود پیر و مرشد اپنے نو عمر مرید کی ریاضت گاہ یعنی حظیرہ شیر خاں میں تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے تھوڑے سے روپے حضرت خواجہ کو دیتے ہوئے یہ فرمایا۔ یہ میری نذر ہے جو تمہارے لئے لایا ہوں، جب حضرت شیخ الاسلام کے مریدوں اور معتقدوں کو اس بات کا علم ہوا تو سب نے جانا کہ یہ نو عمر سید روحانیت کے کس بلند مرتبہ پر فائز ہے کہ خود شیخ الاسلام اس کے آگے نذر پکڑتے ہیں۔ جوامع الکلم میں خود حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نے شروع شروع میں آپ سے اس طرح ریاضتیں بتدریج لیں کہ طبیعت پر زیادہ گرانی نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو وہ بعد طلوع آفتاب باقی رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خواجہ کے صدقے میں باقی رہتا ہے تو فرمایا اچھا ہے اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کی دو بجی بہت خوب، پھر فرمایا دوگانہ شکر النہار و استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی ہوئی تو ایک روز پھر ارشاد فرمایا اگر چار رکعتیں اس میں چاشت کی ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ اسی طرح ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ ارشاد فرمایا شعبان میں بھی۔ میں نے گزارش کی شعبان میں نو روزے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو تمہارے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے۔

ایک عرصہ دراز تک حضرت خواجہ کی ریاضت کا یہ معمول ۔۔۔۔ رہا کہ نماز عشاء کے بعد حضرت شیخ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے اور دروازہ بھیڑ دیا جاتا اور حضرت خواجہ رات بھر حجرے میں مصروف عبادت رہتے نماز فجر کے قریب پہلے آپ وضو فرماتے پھر حضرت پیر و مرشد کو وضو کراتے اور نماز فجر باجماعت پیر و مرشد کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اشراق اور چاشت کی نماز پڑھتے اور پھر وہاں سے اٹھ کر باہر آتے اور ناشتہ کرکے طلبہ کو پڑھانے میں مصروف ہو جاتے پھر نماز ظہر کے بعد کچھ قیلولہ کرکے پھر عصر کی نماز سے مغرب تک پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہتے مغرب کی نماز کے بعد کچھ تھوڑا سا کھانا کھا کے پھر نماز عشاء کے لئے آجاتے تو صبح تک سلسلہ عبادت جاری رہتا۔

تاریخ حبیبی میں مذکور ہے کہ جب آپ کا سن مبارک نو سال کے قریب ہوا۔ پھر سو سال بھی گزر گیا تب بھی آپ کے معمولات میں فرق نہ آیا۔ اور جتنے وظیفے کہ آپ شروع زمانے میں پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ناغہ نہیں فرماتے تھے اور فجر کے وہ تمام وظیفے جو حضرت شیخ الاسلام کے بتائے ہوئے تھے ان کو ختم کرنے کے بعد اشراق اور

چاشت کی نماز پڑھتے۔ آخری زمانے میں جب آپ کا جسم مبارک کمزور ہو گیا تھا تو اور نماز میں برابر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس زمانے میں بھی جو ریاضتیں پہلے سے کرتے آرہے تھے وہ ترک نہیں فرمائیں اشراق کے بعد تین پارے قرآن شریف کے پڑھا کرتے تھے۔ جب بینائی کمزور ہو گئی تو آپ دوسروں سے پڑھوا کر خود برابر سنا کرتے تھے۔ اس طرح نماز عصر کے بعد ہی وظیفہ پڑھنے کا معمول تھا۔ جب وہ آپ سے ممکن نہیں ہوا تو آپ نے اپنے پوتے حضرت ید اللہ حسینی علیہ الرحمتہ کو فرمایا کہ تم پڑھا کرو میں سنتا رہوں گا۔

یہ حضرت خواجہ بندہ نواز (علیہ الرحمہ) کی عبادت و ریاضت کا ایک اجمالی خاکہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے کس درجہ عبادت فرمائی ہے۔ حضرت خواجہ نے اپنے تمام مریدین معتقدین کو ہمیشہ شریعت کی پابندی بندگان خدا کے حُسن سلوک، اور چھوٹوں کی غلطیوں پر چشم پوشی کی ہدایت فرمائی ہے۔ سرکاری عہدہ دار بادشاہ اور امراء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو خصوصیت سے انھیں انصاف اور عدل کی ہدایت فرماتے۔ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کی خانقاہ شریف میں نہ صرف فقراء و مساکین کثرت سے حاضر ہوتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے علماء اور امراء بھی حاضری دینے کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔ آپ نے ریاضت شاقہ کے ساتھ خدمت خلق میں وہ اعلیٰ مقام پایا ہے جو شرف انسانیت کا مقام ہے اور اسی کی بدولت آپ کے فیض کا وہ دریا جاری ہے جس سے ہر شخص مستفیض ہو رہا ہے۔ دکن کے مختلف شاہی خاندانوں کے بڑے بڑے فرمانروا آپ کی بارگاہ میں عقیدت مندانہ ہمیشہ سر جھکا کر عزت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ بندہ نواز کی بارگاہ وہ عالی شان بارگاہ ہے جہاں شاہ و گدا کا امتیاز نہیں ہر شخص اپنی مُراد پاتا اور خواجہ کے گن گاتا ہے۔

## پاسبان کو مضبوط بنائیں

اہل قلم اپنے مضامین سے۔
شعراء اہلسنت اپنے کلام سے۔
مدارس و مکاتب اپنی کارگذاری و تعلیمی خدمات کی رپورٹ سے۔
علماء، مشائخ، و دانش وران جماعت اپنے مفید مشورے
مصنفین اپنی کتابوں پر تبصرے سے۔

غرض کہ پاسبان کے صفحات اپنی جماعت کے ہر فرد کے لئے کافی ہیں۔ ہم کسی ادارہ، کسی جماعت، کسی فرد کے خلاف قلم نہ اٹھائیں گے۔ آپ مثبت اور تعمیری ذہن و فکر کے ساتھ پاسبان سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم پاسبان کے ذریعہ پوری سنی دنیا کو ایک لڑی میں منسلک کرنا چاہیں گے تاکہ ہم ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے رہیں اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو محسوس کریں۔ جنوبی ہند ہم سے بالکل کٹ گیا ہے۔

ہم پاسبان کے ذریعہ اس کی کوشش کریں گے کہ جنوبی ہند کے علماء و مشائخ شمالی ہند کے علماء و مشائخ سے اور شمالی ہند کے علماء و مشائخ جنوبی ہند کے علماء و مشائخ سے قریب ہو جائیں ایسے ہی آسام اور کشمیر وغیرہ سے ہمارا رابطہ مضبوط ہو جائے تاکہ ایک مسلک کی بنیاد پر ہم سب ایک ہو جائیں۔

اور اب پاسبان کے ذریعہ ہمیں یہی کرنا ہے اگر آپ ہماری اس رائے سے متفق ہیں۔ تو پاسبان کو اپنایئے اور ہمارا ساتھ دے کر ہمارے قوت بازو بن جائیں۔

انوار احمد نظامی

---

ابھی چند مہینے بیشتر الہ آباد کے ادبی مشاعرے میں ملک کے ممتاز شعراء نے شرکت کی تھی۔ حضرت راز الہ آبادی کی دعوت پر علامہ انور صابری جگن ناتھ آزاد اور ساحل مانکپوری دفتر پاسبان میں تشریف لائے بیٹھے بیٹھے علامہ انور صابری نے برجستہ ایک شعر کہا جو ہدیہ ناظرین ہے۔

حضرت مشتاق کی ذات گرامی بالیقیں
پاسبانِ عظمتِ حق ہے الہ آباد میں

—— ابرار احمد آفس انچارج

جناب سید سرفراز حسین ایم۔اے

# جہانگیری دربار کا ایک تاریخی واقعہ

ذیل کے تاریخی واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغل بادشاہوں نے ہندوستان میں کس قدر رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اور ان کی قومی غیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ رعایا کی بہو بیٹیوں کی آبرو کے لئے اپنی جان تک کو خطرے میں ڈال دیتے تھے۔

ایک شام شہنشاہ اکبر جہانگیر ملکہ نور جہاں کے ساتھ باغ میں معروف گل گشت تھے۔ کسی فریادی نے اطلاعی گھنٹی کو زور سے بجانا شروع کیا جہانگیر فوراً اس فریادی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ادھر جانے کا قصد کیا جہاں سے گھنٹی کی آواز پیغام فریاد دے رہی تھی۔ نور جہاں نے اس بے محل اور بے وقت مداخلت پر ناگواری کا اظہار کیا۔ لیکن جہانگیر اس کی مطلق پرواہ کئے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ملکہ کے پاس سے روانہ ہو گئے۔ جہانگیر نے دیکھا کہ ایک ضعیف العمر عورت گھنٹی بجا رہی ہے اور اس سے ہم آہنگ ہو کر فریاد فریاد کا شور بلند کر رہی ہے۔ بادشاہ نے قریب جاکر حالات دریافت کئے۔ ضعیفہ نے بادشاہ کو بڑی قہر آلود نظر سے سر سے پیر تک دیکھا اور کچھ وقفہ تک اسی طرح گھورتی رہی۔ جہانگیر نے اس کی پر غضب نظروں سے متاثر ہو کر دوبارہ حالات دریافت کئے۔ ضعیفہ نے چلا کر کہا اے بادشاہ تو اپنے محل میں بیٹھا عیش و آرام میں مصروف ہے تجھے کچھ خبر نہیں کہ تیری رعایا کے بیکس و بے بس لوگ تیرے بنائے ہوئے حاکموں کے ہاتھوں کس درجہ ستائے جارہے ہیں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں تیری اور میری جان ہے قیامت کے دن تجھ سے اس کا بدلہ لئے نہیں رہوں گی۔ بڑھیا غصہ سے کانپ رہی تھی۔ اور جہانگیر خوف خدا سے تھرا رہا تھا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ اے ضعیفہ خدا کے لئے اپنے انتقام کو قیامت کے لئے نہ اٹھا رکھ اگر مجھ سے یا میرے کسی رکن سلطنت سے کوئی ناانصافی ہوئی ہے تو میں ہر طرح حاضر ہوں بلا تامل مجھ سے اس کا بدلہ لے مگر ذرا اپنی داستان تو سنا۔

بڑھیا نے نرم لہجے میں کہا کہ میں بیوہ ہوں اور میرے سوائے ایک جوان بچی کے اور کوئی نہیں ہے۔ محنت مزدوری کرکے ہم دونوں ماں بیٹی اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ کل کسی کام سے میری بیٹی بازار گئی تھی کہ شہر کے کوتوال نے اس کو دیکھ پایا اور اس سے محبت کا اظہار کرنے لگا۔ میری بچی اس کے خوف سے گھر لوٹ آئی تو وہ شیطان بھی اس کے پیچھے پیچھے مکان پر آگیا اور جب اس کو ہماری تنہائی کا علم ہوا تو مجھے بہت ڈرایا دھمکایا چلتے وقت وہ مجھ سے کہہ گیا کہ کل میں رات کے وقت اس کو لینے کے لئے آؤں گا۔

جہاں پناہ آج رات کو وہ میرے گھر آئے گا۔ اب ہماری عزت و

## اردو زبان کی پہلی گرامر

اردو زبان کی سب سے پہلی گرامر ایک ڈچ اردو شاعر نے جس کا نام کٹیلر، تھا لکھا ہے یہ شخص ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر تھا۔ شاہ عالم شنکلہ ۱۷۱۲ء اور جہاں دار شاہ کے دربار میں ڈچ سفیر کے طور پر حاضر ہوا تھا۔ اس نے صرف دلحو ہندوستانی، کے نام سے اردو زبان کی گرامر ۱۷۱۵ء میں لکھی۔

(بحوالہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ)

آبرو کا بجز خدا کے اور کون نگہبان ہے۔

بڑھیا اتنا کہہ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے توجہ کے ساتھ بڑھیا کی داستان سنی اور اس کو دلاسا دیا رات ہو گئی تھی۔ بادشاہ محل میں تشریف لے گئے دیکھا کہ نور جہاں انتظار کر رہی ہے کہ بادشاہ سلامت تشریف لائیں تو خاصہ تناول فرمائیں۔ بادشاہ تشریف لائے۔ اور خاموشی سے کمرہ میں جا کر لباس تبدیل کیا کمر میں تلوار باندھی اور بغیر کچھ کھائے پیئے محل سے باہر تشریف لے آئے۔ باہر ضعیفہ انتظار کر رہی تھی۔ بادشاہ بھیس بدل کر بڑھیا کے ساتھ ہو لیئے اور تھوڑی دیر میں اس کے مکان پر پہنچ گئے۔ ضعیفہ نے روکھی سوکھی روٹی سامنے رکھ دی۔ مگر بادشاہ نے کہا اے نیک بخت جب تک میں تیری بے عزتی کا بدلہ ملعون کوتوال سے نہیں لے لوں گا مجھے کھانا پینا حرام ہے یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ باہر سے کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا بادشاہ سمجھ گئے اور خاموشی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے۔ بڑھیا باہر گئی اور کوتوال کو ساتھ لئے ہوئے داخل ہوئی۔ کوتوال نے تحکمانہ لہجے میں بڑھیا سے کہا اس لڑکی کو میرے حوالے کر دیا جائے۔ بڑھیا نے منت سماجت کی مگر حکومت کے زعم پر غریب کی انکساری کب غالب آسکتی ہے بڑھیا جس قدر عاجزی کر رہی تھی۔ اسی قدر کوتوال کا لب و لہجہ سخت ہو رہا تھا۔ رحم کیجئے کوتوال صاحب۔ ایک طرف سے آواز آئی کوتوال نے آواز کی طرف رخ کیا تو ایک غریب اور فرسودہ حال شخص کو دیکھا جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا کوتوال کا پارہ اور چڑھ گیا اس نے اس بوڑھے شخص سے بڑے غضب ناک لہجہ میں کہا تو کون ہے میرے معاملہ میں کیوں دخل دیتا ہے ضعیف نے کہا میں آپ کے معاملہ میں دخل نہیں دیتا۔ اس غریب بچی کے لئے رحم کی درخواست کرتا ہوں کوتوال نے پھر کہا تو اس بچی کا کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں اتنا کہہ کر کوتوال اس لڑکی کی طرف بڑھا اور چاہتا تھا کہ اس کو زبردستی اپنی گرفت میں لیلئے کہ ضعیف نے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار جو اس کو ہاتھ لگایا۔ کوتوال غصہ سے بھرا ہوا پلٹا اور تلوار نکال کر بوڑھے پر وار کر دیا۔ بوڑھے شخص نے جو پہلے ہی تلوار سنبھالے ہوئے تیار تھا۔ وار خالی دیا۔ تلوار چلنے لگی۔ دونوں اپنی قوت فن کے ساتھ تلوار چلا رہے تھے۔ کچھ دیر کی ٹکر کے بعد بوڑھے نے ایک ایسا وار کیا کہ تلوار کوتوال کے سینے سے پار ہو گئی اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ضعیف آدمی نے فوراً اپنی تلوار پھینک دی اور کوتوال کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ کوتوال نے کہا اے ضعیف شخص اب میرا وقت آخر ہے میں تجھ سے اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں مگر میں اتنا جاننا چاہتا ہوں۔ کہ تو کون ہے۔ ضعیف کے چند آنسو کوتوال کے چہرے پر گر پڑے اور اس نے اپنی مصنوعی داڑھی اتار دی کوتوال نے بادشاہ کو پہچانا۔۔۔۔۔۔۔۔ قدم بوسی کے خیال سے اٹھنا چاہا مگر بادشاہ نے اس کو منع کیا۔ کوتوال نے کہا عالم پناہ میں خوش قسمت ہوں کہ میری موت حضور کی تلوار۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنا کہا اور ایک ہچکی لی اور ابدی نیند سو گیا۔ شہنشاہ بادل ناخواستہ اٹھے بڑھیا نے پھر کھانا پیش کیا بادشاہ نے بڑی مسرت کے ساتھ وہ کھانا کھایا۔ اب صبح قریب تھی بادشاہ وہاں سے چل پڑے ابھی محل تک پہنچ بھی نہیں پائے تھے۔ کہ ایک نوجوان سپاہی نے آکر ان کو گرفتار کر لیا۔ اور صبح تک حراست میں رکھا صبح کا اجالا پھیلتے ہی سپاہی نے بادشاہ سے استفسار حال کیا اور جب اسے جہانگیر کی شخصیت کا علم ہوا تو فوراً قدم پر گر پڑا بادشاہ نے اس کو اٹھایا اس کی تعریف کی اور محل کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسرے دن تمام حاضرین دربار کے روبرو بادشاہ نے ضعیفہ اس کی لڑکی اور سپاہی کو طلب فرمایا بادشاہ نے ضعیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ تمام واقعات اہل دربار کے سامنے بیان کرے۔ ضعیفہ واقعات سنا رہی تھی اور ہر شخص بادشاہ کے رحم و انصاف پر انگشت بدنداں تھا۔ ضعیفہ حالات سنا چکی تو بادشاہ نے خود اس سپاہی کی تعریف اور توصیف بیان کی اور خوش ہو کر فرمایا۔ بتاؤ اس سپاہی کو کیا انعام دوں۔ ہر شخص سوچتا تھا کہ کیا انعام تجویز کیا جائے۔ چند منٹ کے توقف کے بعد بادشاہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ میں ایسا انعام دینا چاہتا ہوں جس سے زندگی بھر خوش و خرم رہے اتنا کہہ کر بادشاہ ضعیفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا۔ اے ضعیفہ کیا تم پسند کرو گی۔ کہ میں تمہاری لڑکی کی شادی اس نوجوان سپاہی سے کر دوں۔ بڑھیا فرط مسرت سے جھوم گئی اور دعائیں دیتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا بادشاہ نے اپنے مصارف سے سپاہی کی شادی ضعیفہ کی لڑکی کے ساتھ کر دی یہ ہی نہیں بلکہ اس سپاہی کو ترقی دے کر مرحوم کوتوال کے منصب پر فائز کر دیا اور ضعیفہ کے لئے ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس چھوٹے سے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کا

## غزل

از جناب باسط صاحب لکھنوی

جفائیں چھوڑ کر مجھ پر اگر وہ مہرباں ہوتا
فراغت سے غمِ جاوید پھر حاصل کہاں ہوتا

نہ لٹتا موسمِ گل اور نہ یہ دورِ خزاں ہوتا
دلوں میں آج بھی موجود گر عزمِ جواں ہوتا

نہ دل دیتے کسی کو ہم نہ دورِ امتحاں ہوتا
نہ ہوتا درد ہی دل میں تو پھر درماں کہاں ہوتا

نہیں نقش تیرے اگر قسمت سے مل جاتے
وہیں سجدے جبیں کرتی وہیں پر آستاں ہوتا

شکایت کیا کروں میں چار تنکوں کے نہ ہونے کی
اگر قسمت ہی راس آتی تو سارا گلستاں ہوتا

پہنچ جاتے وہیں گلچیں کی نظریں بجلیاں بنکر
زمیں سے تا فلک میرا جہاں بھی آشیاں ہوتا

جنھیں نیند آئی ہم آغوش ہو کر شمع کی لو سے
انھیں کیونکر بھلا اندیشۂ سود و زیاں ہوتا

بہ فیضِ عزم و ہمت اک شکن آئی نہ ماتھے پر
اگر سارا گلستاں بھی عدوئے آشیاں ہوتا

میں دل کو خود نشانہ ان کی نظروں کا بنا لیتا
وہ کھکر دار کرتے اور میرا امتحاں ہوتا

ہنوز آنسو مرے محروم دامانِ محبت ہیں
سرِ بازار ورنہ میں بھی اک جنسِ گراں ہوتا

دلِ باسط وفورِ غم سے اب بیحد پریشاں ہے
ذرا تسکین مل جاتی جو کوئی ہمزباں ہوتا

## غزل

جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

جنوں کا راز سمجھانے سے پہلے
سمجھ لے کوئی دیوانے سے پہلے

مکمل تھا محبت کا فسانہ
زمانے کے ہر افسانے سے پہلے

جبینِ شوق پیہم جھک گئی ہے
زباں پر تیرا نام آنے سے پہلے

شعورِ بادہ نوشی بھی ہے لازم
کسی میخانے میں جانے سے پہلے

ستم ٹوٹے ہیں کیا کیا جان و دل پر
سحر کے بعد شام آنے سے پہلے

کسی کافر کی اب ہے یاد جس میں
وہ دل کعبہ تھا بتخانے سے پہلے

ہزاروں آشیاں جل کر ہوئے خاک
گلستاں میں بہار آنے سے پہلے

ہوا افشانہ رازِ عشق جوہر
کسی کا لب پہ نام آنے سے پہلے

## قطعہ

یہ قول سارے زمانے میں تو مسلّم ہے
بندھا ہوا اسی رشتے میں ابنِ آدم ہے
نصیبِ فتح و ظفر کیوں نہ ہو ہمیں باسط
یہ اتحاد ہی شیرازہ بندِ عالم ہے

جناب باسط لکھنوی

از مولانا امام الدین صاحب

# بے نام و نشان کوفہ

**جائے وقوع** ساحل فرات سے دو ڈیڑھ میل جانب مغرب، بغداد سے ۸۸ میل جانب غروب وجنوب، خوش سواد وخوش منظر، (اقحوان، شقایق، قیصوم خزامی، (وغیرہ عربی پھولوں کا) گلستاں، دل دادگان فطرت کا "خد العذرا" (یعنی عارض محبوب)

**تاریخی حیثیت** خاندان نعمان بن منذر جو اسلام سے پہلے عراق وعرب کا حکمراں تھا۔ اس دار الحکومت یہی مقام تھا۔ ان کے قصر وایوان خوانق، اور لدیر وغیرہ کسی زمانہ میں یہی واقع ہوں گے۔ جو اب صفحہ زمین سے حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہیں۔ صرف صفحات قرطاس پر ان کی داستان عبرت غافل انسان کے لئے تازیانۂ عبرت باقی ہے ایک فارسی شاعر نے ذیل کے شعر میں ایک جانگداز مرقع عبرت پیش کیا ہے۔

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت
جغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

لیکن اس قصر وبام کی عبرت انگیزی کی حد کو خیال میں لاؤ جو سطح ارض سے ناپید ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ سانپ کے وسوسہ دینے کے بعد حضرت حوّا یہیں اتاری گئی تھیں۔ اور حضرت نوح علیہ السّلام اسی مقام سے کشتی پر سوار ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

**وجہ تسمیہ** عربی زبان میں کوفہ کے معنی کنکریلی پتھریلی زمین کے ہیں۔ اور یہ زمین ایسی ہی تھی۔ اس لئے یہاں پر جو شہر آباد ہوا وہ کوفہ کے نام سے موسوم ہوا۔

**سنہ تعمیر** خلیفۂ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی خلافت غازیان اسلام اور اہل فارس سے جو جنگ ہو رہی تھی وہ ۱۶ھ تک مسلمانوں کی مکمل فتح پر ختم ہو گئی۔ غازیان اسلام کی ایک عرصہ تک مخالف آب وہوا میں رہتے رہتے صحت خراب ہو گئی تھی، جب جنگ کا اختتام ہو گیا۔ اور سپہ سالار اسلام حضرت سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ تو آپ نے خلافت مآب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہاں رہ کہ اہل عرب کا رنگ روپ بدل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تحریر فرمایا کہ وہاں کی آب وہوا عربوں کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتی۔ کوئی ایسا مقام تجویز کرو۔ جہاں کی آب وہوا اچھی ہو۔ اور جو بری وبحری اعتبار سے بھی مناسب ہو، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد اسی قسم کی خدمات تھیں۔ چنانچہ وہی بزرگوار مقام کے انتخاب پر متعین کئے گئے۔ اور انھوں نے کوفہ کی زمین پسند فرمائی اور ۱۷ھ میں شہر کوفہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔

**تفصیل تعمیر** شہر کے طرز تعمیر اور دیگر تفصیلات کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری ہدایت بھیج دی تھی۔ اسی کے مطابق چالیس ہزار آدمیوں کی رہائش کے قابل مکانات تعمیر ہوئے۔ بڑی بڑی سڑکوں کی وسعت تین درجہ کی تھی۔ سب سے بڑی سڑکیں چالیس ہاتھ کی رکھی گئی۔ ان سے کم تیس ہاتھ کی تھیں۔ اور ان سے گھٹ کر بیس ہاتھ کی معمولی ایک طویل وعریض جامع مسجد بھی بنائی گئی۔ جو ایک بلند مربع چبوترہ پر واقع تھی۔ اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ مسجد کے حول میں دور دور تک کھلا ہوا میدان تھا۔ چالیس ہزار آدمیوں کے رہنے کے قابل مکانات بنائے گئے تھے۔ اور اتنے ہی آدمیوں کی گنجائش کے مطابق جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے۔

کہ ہمارے اسلاف کو نماز کا کس قدر اہتمام مد نظر تھا۔ ہر فرد کے لئے نماز پڑھنا اس قدر ضروری سمجھا جاتا تھا کہ جیسا ضروری کہ دراصل نماز کا پڑھنا ہے۔ لیکن افسوس کہ موجودہ مسلمان سے اہتمام قطعاً مفقود ہو گیا ہے۔

## آتش زدگی اور شہر کی مکرر تعمیر

ایک تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا جو سادگی کا مجسمہ تھے دوسرے مسلمانوں کے پاس قیصر و کسریٰ کی طرح لاتعداد خزائن بھی نہ تھے۔ جو عالی شان قصر و ایوان تعمیر کر لئے جاتے۔ معمولی گھانس پھونس کے مکانات سے شہر آباد کیا گیا تھا۔ اس پر بد اتفاق سے ایک مرتبہ آگ لگی۔ اور شہر اس حادثہ کا نذر ہو گیا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پختہ عمارت بنانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پختہ مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن بے قید نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ تین کمروں سے کوئی بھی زیادہ نہ بنائے اور بڑے بڑے مکانات ہرگز نہ بنائے جائیں۔

جامع مسجد کی عمارت میں بھی توسیع کی گئی۔ چنانچہ ایک وسیع سائبان بنایا گیا۔ جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم تھا۔ یہ ستون نوشیروانی عمارتوں سے لائے گئے تھے۔ جن کا معاوضہ مجوسیوں کو دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ مجوسی مسلمانوں کی رعایا تھے۔ اور وہ عمارتیں شاہی تھیں۔ جو بحیثیت فاتح کے مسلمانوں کے تصرف میں آئی تھیں۔ بے مثل رواداری کی دلیل ہے۔

## ایوانِ حکومت

اسی مسجد کے متصل دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوان حکومت تعمیر کیا گیا جس سے ملا ہوا بیت المال اور مہمان خانہ بھی تھا۔ اسی مہمان خانہ میں مسافر قیام کرتے تھے اور بیت المال سے کھانا پاتے تھے۔

## حضرت سعد کا محل

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ دولت نوشیروانی کے فاتح تھے۔ آپ کو اہل فارس کی شان و شوکت کو بچشم خود دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اس بنا پر اگر آپ کے مذاق میں تغیر پیدا ہو گیا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ بہرحال فارس کے طرز و انداز سے متاثر ہو کر آپ نے شاندار محل تعمیر کرایا جس میں مدائن کے شاہی محل کا عالی شان پھاٹک لگا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محل کا حال معلوم ہوا۔ تو بہت ناراض ہوئے۔ اور حضرت سعد بن وقاص کو لکھا کہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرایا ہے۔ سمجھ لو کہ وہ دوزخ کا محل ہے۔ میرے عامل ہو کر تم ایسے محل میں رہو گے۔ جہاں غربا و مساکین اور مظلوموں کی تم تک رسائی نہ ہو سکے گی۔ اور تمہارے علاقہ میں ہر طرف ظلم و ستم کی گرم بازاری ہو جائے گی۔ حضرت عمر نے صرف خط ہی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ حضرت محمد بن مسلم کے نام تاکیدی حکم بھیجا کہ تم کوفہ جا کر سعد کے محل کو مسمار کر دو یا آگ لگا دو۔ ہم نہیں چاہتے۔ کہ ہمارے عامل ایسے محلوں میں رہیں جہاں رعایا کی رسائی نہ ہو۔

اس حکم کے مطابق حضرت محمد بن مسلم کوفہ گئے اور بہت سی لکڑیاں جمع کر کے محل کو جلا دیا۔

## ایوانِ حکومت کی توسیع

ایک مرتبہ بیت المال میں چوری ہو گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ایوان حکومت بڑھا کر مسجد سے ملا دیا جائے "روزبہ" مجوسی جو فن معماری کا استاد تھا۔ تعمیر کے کام پر متعین تھا۔ اس کام پر مامور کیا گیا۔ روزبہ نے بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیا۔ جس پر حضرت سعد نے خوش ہو کر روزبہ کو مع اس کے کاریگروں کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ جہاں اس کی بڑی قدر دانی کی گئی۔ اور مدت العمر کے لئے اس کے نام روزینہ مقرر ہو گیا۔

## آبادی کی تفصیل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر کوفہ کی اجازت دیتے وقت یہ بھی فرمایا تھا

کہ مسلمانوں کے لئے ایک شہر آباد کرو جو اُن کا دار الہجرت اور قرار گاہ ہوگا۔ اس خیال کے مطابق جب شہر تعمیر ہوگیا۔ تو عرب کو جدا جدا محلوں میں بسایا گیا۔ چنانچہ یمن کے بارہ ہزار افراد اور نہزار کے آٹھ ہزار آباد کئے گئے۔ جن کے روزینے مقرر تھے۔ ان کے علاوہ جو قبائل آباد ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ تیم اللات۔ تغلب بنو الد۔ نخع۔ کندہ۔ ازد۔ مزلینہ۔ تمیم۔ محارب۔ الآ۔ عامر۔ بجالنہ۔ جدیلہ۔ اخلاط۔ جہینہ، مذحج۔ ہوازن۔

## صدر الاسلام

کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں جو قدر و منزلت حاصل کی اندازہ اس القاب سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کو دے رکھے تھے۔ اور وہ القاب یہ ہیں۔ رمح اللہ۔ کنز الایمان۔ جمجمۃ العرب۔ جس کے معنی علی الترتیب "خدا کا علم" "ایمان کا خزانہ" "اسلام کا سر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کو خط ارسال فرماتے تو لکھتے "الی راس الاسلام۔ الی راس العرب۔۔ لیکن اس سے بڑھ کر کوفہ کو اس وقت قدر و منزلت حاصل ہوئی۔

جب حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کو اسلام کا صدر قرار دیا۔ اور اسلامی طاقت کی مرکزیت کا وہ شرف جو عہد رسالت سے مدینہ طیبہ کو حاصل تھا۔ کوفہ کو مل گیا۔ اس شرف نے کوفہ کو بڑی بڑی عزتوں اور برکتوں سے مالامال کر دیا۔ اصحاب رسول اللہ سے ایک بڑی تعداد یہاں آکر آباد ہوگئی۔ بقول مولانا شبلی کے ایک ہزار پچاس تھی جن میں چوبیس بزرگوار بدری تھے۔ صحابۂ کرام میں اصحاب بدر کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ان بزرگوں نے کوفہ کو علم دین کا مخزن اور عرب کا ایک خطہ بنا دیا۔

## کوفہ میں تاریخ اسلام کے اہم ترین حوادث کا وقوع

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت بڑے رعب و دبدبہ کی تھی۔ آپ کے عہد میں کسی کو چوں کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس کے بعد یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عظیم بلوہ ہوا۔ جس میں مصریوں اور بصریوں کے ساتھ کوفی بھی شریک تھے۔ اسی بلوہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کی خانہ جنگیاں مشہور ہیں۔ جمل کے بعد اور صفین سے پہلے ۱۶ رجب ۳۶ھ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس کو بجائے مدینہ طیبہ کے اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ اور یہیں آپ ۴۰ھ ۱۷ رمضان کو ابن ملجم کی تلوار سے زخمی ہوئے۔ اور تیسرے روز ۱۹ رمضان وفات فرمائی۔ جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر خلافت کے بعد کوفہ ہمیشہ کے لئے پھر شرف صدارت سے محروم ہوگیا۔

تاریخ اسلام کا وہ قیامت خیز واقعہ جس پر تا قیامت اسلامی دنیا ماتم کناں رہے گی۔ یعنی اہل بیت پاک کی تباہی کوفہ ہی کی سرزمین پر وقوع پذیر ہوا۔ حضرت مسلم اسی کوفہ کی گلیوں میں پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ مگر ان کو پناہ نہ ملتی تھی۔ ان کے معصوم بچے اسی کوفہ میں غریب الوطنی اور یتیمی کی حالت میں بے گناہ شہید کئے گئے۔ قافلۂ امام کو اسی کوفہ کے جوار میں مع سردار قافلہ کے تین روز کا بھوکا پیاسا شہید کیا گیا۔ اسی کوفہ کے بازار میں خاندان رسالت کی برباد شدہ شہزادیاں بے مقنع و چادر اونٹوں پر پھرائی گئیں۔ اسی کوفہ کے ایوان حکومت میں سید الشہدا کا سر رکھا گیا۔ جس سے ابن زیاد نے گستاخیاں کیں پھر اسی کوفہ میں دشمنان اہل بیت سے دردناک انتقام بھی لیا گیا۔ اور یہیں ان کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا۔ جو انھوں نے آل رسول کے ساتھ کیا۔

## خاک کوفہ کے شموس و اقمار

کوفہ میں بڑے بڑے علما اور ائمہ علم و فن پیدا ہوئے۔ یا اس کو اپنا مسکن بنایا۔ پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کوفہ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت امام صاحب کے والد بزرگوار حضرت ثابت پیدا ہوئے۔ حضرت علی کا زمانہ تھا۔ حضرت ثابت کے والد حضرت زوطی آپ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ اور حضرت علی نے

آپ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت حماد امام فن اور استاد وقت تھے۔ حضرت رسول کریم کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی تھی۔ آپ کا مدرسہ علم دین کے لئے دور دور تک مشہور تھا۔ حضرت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیٔ رسول کی فقہ کا یہی مدرسہ سرمایہ دار تھا۔ اور جو بزرگوار اس مدرسہ سے تحصیل علم دفن کر کے نکلے ان میں بعض بڑے پایہ کے تھے۔ مثلاً حضرت سعر اور حضرت شعبہ رحمہما اللہ۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی انھیں حضرت حماد کے شاگرد تھے۔ بعض دیگر ائمہ و شیوخ کوفہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت امام شعبی۔ حضرت مسلم بن کہیل، حضرت محارب بن دثار۔ حضرت ابو اسحاق شعی۔ حضرت عون بن عبداللہ۔ حضرت سماک بن حرب، حضرت عمرو بن مرہ۔ حضرت منصور بن المعر۔ حضرت اعمش۔ حضرت ابراہیم محمد۔ حضرت عدی بن ثابت۔ حضرت عطاء بن سائب۔ حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ۔ حضرت علقمہ بن مرثد رحم اللہ علیہم اجمعین۔

امام شعبی بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے۔ پانچ سو صحابی کو دیکھا تھا۔ کوفہ میں فرد واحد تھے۔ حضرت سلمہ محدث اور تابعی کوفہ کے منتخب ارباب کمال میں سے تھے۔ حضرت محارب کوفہ کے قاضی زہد میں فرد تھے۔ حضرت ابو اسحاق نے تین سو بزرگوں سے تحصیل حدیث کی تھی۔ ۳۸ صحابہ سے بالمشافہ روایت ہے۔ حضرت عون نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر سے حدیثیں روایت کیں۔

حضرت سماک ۸۰ صحابہ سے ملے باقی بزرگوں کو بھی کوئی نہ کوئی امتیاز و اختصاص حاصل تھا۔

**مجلس فقہائے حنفیہ** کی مجلس اسی کوفہ میں قائم تھی۔ جس نے فقہ حنفی کو مدون کیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو اس مجلس کے ایک ممتاز رکن تھے۔ ان کی جائے ولادت بھی کوفہ تھا۔ آج وہ کوفہ سطح ارض پر موجود نہیں۔ جس کا ہم تذکرہ لکھ رہے ہیں۔ لیکن فقہ حنفی کے ساتھ وہ آج تک زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ انشاءاللہ کوفہ کے منجملہ دیگر خصائص کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ابوالاسود نحوی نے اول اول کوفہ میں قواعد نحویہ منضبط کئے تھے۔

**خاتمہ** جس شہر کوفہ کی ہم نے مختصر تاریخ لکھی ہے۔ وہ اب دست برد زمانہ کے ہاتھوں صفحہ ارض سے مٹ چکا ہے۔ شاید کچھ ٹوٹے پھوٹے نشان غافل انسان کو درس عبرت دینے کے لئے باقی ہوں تو ہوں۔
اسی برباد شدہ کوفہ کے قریب جدید کوفہ آباد ہو گیا ہے۔

## آخری لمحے کا بقیہ صفحہ ۳۷ سے آگے

میں رطب اللسان رہے۔ صرف اس لئے کہ قہر و جلال کے عالم میں بھی میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی تھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ میری کنیزوں اور خاندان کی عورتوں نے مجھے تکلیف پہنچائی اور بسا اوقات آزردہ خاطر کیا۔ ان مواقع پر بیشک میرے قہر و جلال کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔ لیکن میں نے کسی کی حق تلفی نہیں کی اور کسی کو دکھ نہیں پہنچایا۔ میرا یہ ایک مستقل احساس تھا۔ کہ اس کارزار حیات میں میں جیسا طریق عمل کار کردگی اختیار کروں گی۔ ویسے ہی نتائج میرے سامنے آئیں گے۔

چنانچہ میں ظلم و ستم سے الگ رہی خلق شیریں زبانی نرم دلی اور انصاف پسندی میری زندگی کا اولین نصب العین رہا آج میں تم کو بھی نصیحت کرتی ہوں، کہ تم بھی ایسا ہی کرو۔

عبدالقیوم مصباحی سب۔ ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان

# اسلام میں عورت کا مقام

اسلام نے عورت کی ذات پر جو احسانات کئے ہیں۔ اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اسلام سے قبل مختلف ادیان و مذاہب میں عورتوں کی کیا حیثیت تھی۔ اس کو معلوم کرنے کے بعد ہم صحیح مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ قدیم تاریخ کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے یونان میں عورت کی ذات کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ عورتوں کے اندر نیک کام انجام دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ برے کاموں کی رہبر بن جاتی ہیں۔ یونان کا مشہور حکیم افلاطون نے عورت کو مجسم گناہ قرار دیا تھا۔ مذہب عیسائیت کا عورتوں کے متعلق یہ عقیدہ عام تھا کہ وہ برائیوں کی جڑ اور گناہوں کی ماں ہے۔

ہندو اسکالر آر۔ جی، بھنڈار کہتے ہیں۔ پرانی آریائی تہذیب میں عورت کی حیثیت ناقابل رشک تھی۔ دیدوں کا پڑھنا تو درکنار چھونا تک ممنوع تھا۔ بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ عورت کو مجسم فریب کار بتاتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ کہ عورت مرد کے لئے خطرناک مصیبت اور مجسم فریب ہے لہٰذا اس کی طرف دیکھنا شریعت کے خلاف ہے

دنیاء قدیم کے جس دور پر نظر ڈالو عورت قعر مذلت میں گرفتار تھی۔ اس غریب کا کوئی پرسان حال نہ تھا عملی طور پہ ہر جگہ اچھوت سمجھی جاتی تھی۔ ایران میں عورتیں جائداد کے طور پر فروخت کی جاتی تھیں۔ اور انھیں رہن بھی رکھا جاتا تھا۔

ہندوستان جو ایشیائی زبان کا گہوارہ تھا یہاں عورتوں کے ساتھ غلاموں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی چتا میں جل کر راکھ ہونے پر مجبور تھی۔ عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے عربوں کے افعال و کردار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی کی پیدائش کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ سے بھر جاتا ہے پھر وہ اپنی قوم سے اس بدخبری کی وجہ سے چھپنے لگتا ہے اور سوچتا ہے آیا اس لڑکی کو زندہ رکھے یا دفن کر دے۔ یقیناً اس کے بارے میں ان کا فیصلہ نہایت برا ہے (قرآن)

لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے سامنے لڑکیوں سے محبت کا ایسا نمونہ پیش کیا ہے۔ جس کی مثال دوسرے ادیان و مذاہب میں موجود نہیں۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں۔ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکی اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائے گی۔ مزید براں اسلام نے قانون سازی کے ذریعہ لڑکیوں کا وراثت میں حصہ مقرر کر دیا۔

اسلام نے قدیم نظریات کو منہدم کر دی اور ایک جداگانہ نظریہ پیش کیا۔ اس نے عورت کو گناہ مجسم اور فریب مجسم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مرد اور عورت کو ایک جنس قرار دیا۔ اور دونوں کو یکساں طور پر زندگی کے دو اہم جز بتایا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بغیر زندگی کو مکمل و تمام نہیں کہا جاسکتا۔ عورت کی تخلیق اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ سورہ روم کی مندرجہ ذیل آیت کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ یہ محسوس کریں گے کہ اسلام کی نگاہ میں عورت کتنی محترم اور معظم ہستی ہے۔

اس نے تم میں سے تمہارے جوڑے (بیویاں) پیدا کئے۔ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مودّت اور رحمت پیدا کی بے شک اس میں نشانیاں ہیں۔ (قرآن)

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)